
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
ٹوٹا ہوا تارا
سمیرا شریف طور

قسط نمبر 25

مجھے یقین تو نہیں ہے مگر یہی سچ ہے
میں تیرے واسطے عمریں گزار سکتی ہوں
یہی نہیں کہ تجھے جیتنے کی خواہش ہے
میں تیرے واسطے خود کو بھی ہار سکتی ہوں

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

مصطفیٰ کے گولی لگنے پر سب ہی خوف کا شکار ہوجاتے ہیں ایسے میں شہوار بالکل ساکت رہ جاتی ہے انتہائی بے قراری کے عالم میں وہ مصطفیٰ کو پکارتی ہے جبکہ مصطفیٰ ہوش وحواس سے بیگانہ ہوجاتا ہے۔ اس کی حالت کا ذمہ دار خود کو ٹھہراتے وہ عجیب کیفیت کا شکار ہوتی ہے۔ بروقت طبی امداد ملنے پر مصطفیٰ کی حالت خطرے سے باہر ہوجاتی ہے اس دوران گھر کے سب ہی لوگ اسپتال میں اسے ملنے کی خاطر آتے ہیں جبکہ شہوار ایک بار بھی مصطفیٰ کی عیادت کی غرض سے نہیں جاتی دوسری طرف مصطفیٰ ازخود فون کرکے شہوار سے بات کرنا چاہتا ہے لیکن فون پر بھی شہوار کے رویے میں عجیب لاتعلقی محسوس کرکے مصطفیٰ اس عمل کو ناپسندیدگی پر محمول کرتے فون منقطع کردیتا ہے۔ مصطفیٰ کی خراب حالت کے پیش نظر ولیمہ کا پروگرام ملتوی کردیا جاتا ہے گاؤں سے آنے والے مہمان اس خبر سے آگاہ نہیں ہوتے دوسری طرف بابا صاحب کو بھی اطلاع نہیں دی جاتی۔ شہوار کی رخصتی کے اگلے دن تابندہ ملازمین کو ضروری ہدایات دے کر حویلی چھوڑ جاتی ہیں۔ وہ اپنے پیچھے بابا صاحب کے لیے پیغام چھوڑ جاتی ہیں کہ وہ ازخود لوٹ آئیں گی اور شہوار کے تمام سوالوں کے جواب بھی دیں گی بابا صاحب تابندہ کا خط پڑھ کر الجھ جاتے ہیں وہ شاہزیب کو فون کرکے انہیں تابندہ کے حویلی چھوڑنے کا بتاتے ہیں جبکہ دوسری طرف شاہزیب بھی متفکر ہوجاتے ہیں۔ ولید اس حادثے کے بعد خود میں کافی تبدیلیاں محسوس کرتا ہے وہ انا سے اپنے دل کی بہت سی باتیں شیئر کرتا ہے جس پر انا اس تبدیلی پر بہت مسرور ہوتی ہے موت کو اس قدر قریب سے دیکھ کر اس کی سوچ کا انداز یکسر بدل جاتا ہے۔ تابندہ حویلی چھوڑ کر خالہ بی کے پاس آجاتی ہیں اور انہیں شہوار کی رخصتی کا بتا کر اپنے یہاں قیام کا بھی کہہ دیتی ہیں۔ خالہ بی کا بیٹا فرید فالج کا شکار قوت گویائی سے محروم ہے اور گھر کی حالت نہایت ابتری کا شکار ہوتی ہے تابندہ تمام ذمہ داری خود پر لیتے ان کی مشکلات کا مداوا کرنے کا ارادہ کرتی ہیں۔ وہ خالہ بی سے اپنی تلاش میں کسی کے یہاں آنے کا پوچھتی ہیں جس پر خالہ بی ایک شخص کے آنے کا بتا کر خاموش ہوجاتی ہیں لیکن اب اس شخص کا انہیں بھی کچھ اتا پتا معلوم نہیں ہوتا تابندہ ماضی کے دھندلکوں میں گم ہونے لگتی ہیں۔ اصل میں یہ گھر تابندہ کا تھا جو انہوں نے خالہ بی کے نام کردیا تھا اور خود شہوار کو لے کر حویلی چلی گئی تھیں۔ بابا صاحب کو بھی انہوں نے سکندر سے اپنی شادی اور اس گھر کے بارے میں بتادیا تھا تب بابا صاحب نے معلومات حاصل کی تھیں تو ان کی باتوں کی صداقت کی گواہی مل گئی تھی مگر آج تابندہ کا اچانک حویلی چھوڑ جانا بابا صاحب کو خدشات میں مبتلا کردیتا ہے دوسری طرف شہوار کو اس تمام صورت حال سے بے خبر رکھا جاتا ہے۔ ولید کے مسلسل نظرانداز کرنے پر کاشفہ آفس پہنچ کر اسے اپنی محبت کا یقین دلاتی ہے جبکہ اس بے باک رویے پر ولید مزید مشتعل ہوتے صاف انکار کردیتا ہے اس انکار پر کاشفہ خودکشی کرلیتی ہے اور اس کا ذمہ دار ولید کو ٹھہراتی ہے۔ شہزاد کی زبانی ایاز کو مصطفیٰ کے زخمی ہونے اور باقی سب کے بچ جانے کی اطلاع ملتی ہے

جس پر وہ نہایت برہم ہوتا ہے شہزاد آنے والے حالات سے ایاز کو آگاہ کرتے اسے محتاط رہنے کا کہتا ہے۔ جبکہ دوسری طرف شاہزیب اور امجد خان بھی ایاز کی تلاش کا کام تیز کر دیتے ہیں۔

(اب آگے پڑھیے)

○......❖❖......○

وہ تیزی سے بستر سے اترا اور لائٹ جلائی، ادھر سے ادھر ٹہلتے ہوئے اسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے، پھر اس نے ایک دم سے موبائل نکالا اور کاشفہ کے باپ عبدالقیوم کا نمبر ڈائل کیا۔ یہ نمبر اس کے پاس تب سے تھا جب کاشفہ کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا اور انہوں نے اسے یہ نمبر دیا تھا اور اس نے اس نمبر پر کئی بار کال کر کے ان سے کاشفہ کی طبیعت دریافت کی تھی۔

○......❖❖......○

"السلام علیکم سر۔" عباس آج آفس آیا تو اپنے کیبن میں بیٹھنے کی بجائے شاہزیب صاحب کے کیبن میں آبیٹھا۔ رابعہ کو اطلاع ملی تو وہ وہیں چلی آئی۔ عباس نے سر ہلا کر سلام کا جواب دیا۔

"سر یہ پیپرز چیک کرلیں تاکہ باقی ڈیپارٹمنٹس میں فارورڈ کیے جاسکیں۔" اس نے کہا تو عباس نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کر کے فائل لے لی۔

"سر آپ کے بھائی کے بارے میں سنا بہت دکھ ہوا۔" اس نے رسماً کہا۔ عباس نے سر ہلا دیا۔

"بس اللہ کے کاموں میں کون دخل دے سکتا ہے۔ ورنہ کب سوچا تھا کہ یہ حادثہ بھی ہو سکتا ہے۔" عباس نے سنجیدگی سے کہا۔ عباس نے پیپرز چیک کرتے اسے فائل تھمائی۔

"آپ نے آج جوائن کیا تھا یا کل؟" عباس نے پوچھا۔

"ہم نے کل ہی جوائن کرلیا تھا۔" اس کا انداز پراعتماد تھا۔

"آپ سنائیں آپ ٹھیک ہیں نا؟" عباس کے سوال پر وہ چونکی۔

"جی سر، الحمدللہ میں ٹھیک ہوں۔" مسکرا کر اس نے کہا۔

"دوبارہ عادلہ کی طرف سے کوئی رابطہ وغیرہ ہوا؟" عباس نے مزید پوچھا۔ اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"چلو اللہ کا شکر ہے اس عورت کو عقل تو آئی۔"

"میں حیران ہوں سر وہ ایک دم سے پیچھے ہٹی ہیں ورنہ میں تو اس عورت کی کالز اور دھمکیوں سے سخت خوف زدہ ہو چکی تھی۔"

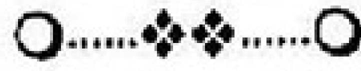
"ایسے لوگوں کی کچھ برین واشنگ کی ضرورت ہوتی ہے جتنا ہم خوف زدہ ہوں اتنا ہی یہ لوگ ہماری شرافت کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں آپ بالکل نارمل رہیں کوئی ضرورت نہیں ایسے لوگوں سے ڈرنے کی امید تو ہے کہ وہ کوئی رابطہ نہیں کرے گی مگر پھر بھی ایسی ویسی کوئی بات ہو بھی تو آپ پہلی فرصت میں مجھ سے رابطہ کیجیے گا۔" عباس نے سختی سے ہدایت کی۔

"جی سر۔" وہ خاموشی سے سر ہلا کر وہاں سے چلی گئی تو عباس نے خاموشی سے کرسی کی پشت سے سر ٹکا دیا۔

عادلہ کے بعد پہلی بار کسی لڑکی نے اپنی طرف توجہ کھینچنے کی کوشش کی تھی عادلہ سے جڑا تعلق اب اس نہج پر تھا کہ جہاں اب واپسی کی کوئی گنجائش نہیں نکلتی تھی پہلے آفاق کی وجہ سے اور پھر خاندانی شرافت کے سبب بہت عرصہ تک وہ خاموش رہا تھا اور یہ خاموشی عادلہ کو اور شہ دیتی تھی۔ مگر اسے یقین تھا کہ اس کے اب کے اٹھائے جانے والے اقدام سے عادلہ کی عقل ضرور ٹھکانے آئی ہوگی۔ اگر نہ بھی آئے تو بھی اس کے متعلق کوئی بھی منتقمانہ کارروائی کرنے سے پہلے اپنے انجام کے

بارے میں ضرور سوچے گی۔ اسے اب عادلہ کی طرف سے کوئی خوف نہ تھا مگر وہ بس اس لیے محتاط تھا کہ کہیں اس کی اندرونی چپقلش کے سبب کسی لڑکی کی زندگی برباد نہ ہوجائے۔ مگر شادی میں کئی بار جس طرح رابعہ سے سامنا ہوتا رہا وہ اسے دیکھ کر چونکتا رہا تھا۔ وہ اسے اچھی لگی تھی مگر یہ پسندیدگی صرف ایک خاص حد تک تھی اس سے زیادہ وہ اس کے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا۔

لیکن اب پھر رابعہ سے سامنا ہوا تو لاشعوری طور پر اسے سامنے دیکھ کر پھر اپنائیت کا احساس جاگا تھا۔ عباس کو اپنی کیفیات عجیب سی لگیں تو وہ سر جھٹکتے گہرا سانس لیتے اپنے سامنے کھلی فائل کی طرف متوجہ ہوگیا تھا۔ شاہزیب صاحب اور ساجد آفس نہیں آئے تھے اور ان دونوں کی غیر موجودگی میں اسے ہی سارا کام دیکھنا تھا۔



رات کے اس پہر ولید کی کال سن کر عبدالقیوم ایک دم چونک اٹھے تھے' کاشفہ رات گئے گھر لوٹی تھی اور آتے ہی کمرے میں بند ہوگئی تھی وہ بھی سونے لیٹ چکے تھے اب ولید کی کال پر بیدار ہوئے اور ولید نے جو بتایا اسے سن کر وہ پریشان ہوگئے تھے۔ ولید کی بات سچ تھی کاشفہ نے واقعی نیند کی گولیاں کھالی تھیں مگر وہ لوگ اسے فوراً اسپتال لے آئے تھے۔

عادلہ اور مسز عبدالقیوم ساتھ ہی تھیں اور باقی کی ساری رات اسی بھاگ دوڑ میں گزر گئی تھی۔ خودکشی کی کوشش کی گئی تھی پولیس کیس بنتا تھا مگر ان کا پیسہ کام آگیا تھا ولید نے کئی بار کال کرکے کاشفہ کی خیریت پوچھی تھی۔ اب دوپہر کے گیارہ بج رہے تھے وہ صبح فجر کے وقت گھر چلے گئے تھے مگر اب پھر آگئے تھے۔

کاشفہ خطرے سے باہر تھی اور اب سو رہی تھی جب ولید نے کمرے کے دروازے پر دستک دی تھی۔ وہ اندر آگیا تھا ان سے سلام دعا کے بعد کاشفہ کی خیریت پوچھنے لگا تھا۔

''تمہیں کچھ اندازہ ہے کہ کاشفہ نے ایسا کیوں کیا ہے؟'' عبدالقیوم صاحب نے سوئی ہوئی بیٹی کو دیکھتے ولید سے پوچھا۔

''کیوں کاشفہ نے کچھ نہیں بتایا؟'' اس نے سنجیدگی سے ان کو دیکھا۔

''ہوش میں آنے کے بعد میں نے پوچھا تھا بلکہ سب نے پوچھا تھا مگر یہ خاموش ہی رہی کچھ نہیں بتایا۔'' ولید نے ایک گہرا سانس لیا۔

''میں نے سوچا شاید تمہیں بتایا ہو۔'' ولید خاموش ہی رہا تھا۔

اس لڑکی کے پاگل پن نے اسے اندر ہی اندر پریشان کردیا تھا۔

''رات اس نے تمہیں کال کیوں کی تھی؟'' وہ ولید کو بغور دیکھتے پوچھ رہے تھے۔

''میں تو سو چکا تھا آدھی رات کو کال آئی تھی۔ مجھے نہیں پتا اس نے ایسا کیوں کیا؟'' ولید نے اب بھی سنجیدگی سے کہا۔

عبدالقیوم نے اسے بغور دیکھا...... کچھ کہنا چاہا مگر پھر خاموش ہوگئے ولید کچھ دیر وہاں رکنے کے بعد عبدالقیوم صاحب سے رخصت لیتا واپس آگیا تھا وہ آفس جانے کے بجائے مصطفیٰ کی طرف آگیا تھا۔

مصطفیٰ قدرے بہتر تھا مہرالنساء اس کے پاس موجود تھیں اور اپنے ہاتھوں سے اسے کھانا کھلارہی تھیں۔ اس وقت دوپہر کا ایک بج رہا تھا وہ کاشفہ کے پاس کافی وقت گزار کر آیا تھا مگر وہ ہوش میں نہ آئی ورنہ وہ اسے اس کی اس حرکت پر ضرور دوٹوک انداز میں بات کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

''کل کہاں تھے؟'' مصطفیٰ نے ماں جی کو کھانا کھلانے سے منع کرتے خود چمچ کی مدد سے چاول کھاتے پوچھا۔

''بس کل آفس میں ہی سارا وقت گزر گیا تھا۔ شام کو سوچا کہ چکر لگالوں مگر پچھلے دنوں کی تھکن تھی سو نہیں آسکا۔'' ولید اس کے پاس ہی ٹک گیا تھا۔

''تم سناؤ کیسا فیل کررہے ہو اور زخم کیسے ہیں اب؟'' اس نے پوچھا تو مصطفیٰ نے کھانا کھاتے اپنے بازو کی طرف دیکھا۔

''ٹھیک ہے مگر کندھے کا زخم کچھ تکلیف دے رہا ہے آج ڈاکٹر سے بات کی تھی اس نے چیک کیا تھا ویسے تو تسلی دے رہا تھا کہ پریشانی والی کوئی بات نہیں بس بازو کو حرکت نہ دوں۔'' وہ بستر کی کراؤن کے ساتھ تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھا ہوا تھا۔

ولید نے متفکر نظروں سے اس کے بازو کو دیکھا۔

''زیادہ پریشانی والی بات تو نہیں۔''

''نہیں یار، اب ایسی بھی بات نہیں میں تو فیڈ اپ ہوچکا ہوں اس سزا سے پتا نہیں کب یہ ڈاکٹرز مجھے ڈسچارج کرتے ہیں۔'' مصطفیٰ نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا تو ولید مسکرایا۔

وہ کھانا ختم کرچکا تھا مہر النساء آنٹی نے اس کے سامنے سے برتن اٹھالیے تھے۔

''ولید ادھر ہی ہے میں نماز پڑھ آؤں۔'' برتن سمیٹ کر ماں جی نے کہا تو مصطفیٰ نے سر ہلا دیا تھا۔ وہ چلی گئی تو ولید نے مصطفیٰ کی طرف دیکھا۔

''کیا بنا کچھ پتا لگا کس نے یہ حرکت کی تھی؟'' ولید نے پوچھا اس سے پہلے کہ وہ جواب دیتا مصطفیٰ کا موبائل بجنے لگا تھا۔ موبائل دائیں طرف ٹیبل پر رکھا ہوا تھا ولید نے آگے بڑھ کر موبائل اٹھالیا تھا ارادہ صرف یہ تھا کہ موبائل اٹھا کر مصطفیٰ کو تھما دے گا۔ یونہی سرسری سا اسکرین کی طرف دیکھا۔

''شہوار'' نام دیکھ کر وہ مسکرایا۔ مصطفیٰ اس کی حرکت دیکھ چکا تھا۔

ولید نے مسکرا کر اسے موبائل تھما دیا تھا مصطفیٰ اسکرین دیکھتے ہی ایک دم سنجیدہ ہوگیا تھا اس نے دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کی مدد سے فوراً کال ریجیکٹ کردی تھی۔ بیپ بند ہوگئی۔ مصطفیٰ نے موبائل آف کرتے اسے سرہانے رکھ لیا تھا۔

ولید نے بہت حیران ہوکر اس کی اس حرکت کو دیکھا تھا۔

''خیریت؟'' مصطفیٰ نے ولید کو حیرت سے دیکھا تو مسکرایا۔

''بالکل۔''

''تو کال کیوں نہیں پک کی۔''

''تمہارے سامنے تو کبھی نہ کرتا۔'' پُراعتماد انداز تھا ولید نے گھورا۔

''شیور یہی بات ہے نا؟''

''کیوں تمہیں کوئی شک ہے؟''

''لیکن تمہارے چہرے کے تاثرات تو کچھ اور ہی کہہ رہے ہیں۔ لڑائی ہوگئی ہے تم لوگوں میں کیا؟'' شرارتی چھیڑنے والا انداز تھا۔ مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لے کر نفی میں سر ہلایا۔

''میں ادھر بیٹھا ہوا ہوں اور وہ گھر پر ہماری کوئی لڑائی نہیں ہوئی۔'' انداز سنجیدہ تھا ولید نے بغور دیکھا۔

''شہوار اسپتال آئی تھیں تمہیں دیکھنے؟'' اس نے پوچھا تو مصطفیٰ کے چہرے پر ایک دم سختی چھانے لگی۔

''لیو دس ٹاپک یار تم سناؤ انا کیسی ہے اور انکل کا کیا حال ہے۔'' مصطفیٰ نے پوچھا تو ولید کچھ پل تک خاموش رہا تھا۔

''انا بھی ٹھیک ہے اور بابا بھی۔''

''روشی کیسی ہے؟'' مصطفیٰ نے پوچھا تو اس نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

''کب تک شادی کا پروگرام ہے؟'' مصطفیٰ نے پوچھا۔

''شاپنگ والے دن میں تمہیں سب بتا چکا ہوں اچھی طرح تم مجھے الجھاؤ نہیں اور نہ میں ٹاپک بدلنے کی کوشش بھی نہ کرو بس یہ بتاؤ کس بات پر یوں ری ایکٹ کر رہے ہو؟'' ولید نے پھر پوچھا۔

''آئی تھنک تم بہت پرسنل ہونے کی کوشش کر رہے ہو۔'' مصطفیٰ نے سنجیدگی سے کہا تو ولید نے تاسف سے گھورا۔

''ہمارے درمیان کبھی کوئی بات پرسنل نہیں رہی۔ بہر حال اب نہیں پوچھوں گا اور ہاں آئندہ خبردار تم نے بھی میری ذاتیات میں دخل اندازی کی کوشش کی تو۔'' اس نے چڑ کر کہا تو مصطفیٰ ہنس دیا۔

''لڑاکا بیویوں والے انداز ہیں، خفا ہو گئے ہو؟'' ولید گھور کر کھڑا ہو گیا۔

''بکو مت۔''

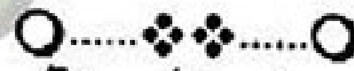
''آفس سے اٹھ کر آیا ہوں چلتا ہوں۔'' ماں جی نماز پڑھ کر ابھی نہیں آئی تھیں۔

''بیٹھو یار، ماں جی آتی ہیں تو پھر چلے جانا۔''

''کیا فائدہ رکنے کا میں پھر کوئی ایسی ویسی بات پوچھوں گا اور تم کہو گے کہ میں پرسنل ہو رہا ہوں۔'' مصطفیٰ مسکرا دیا۔

''خیر ایک بار گھر چلے جاؤ تب اچھی طرح بات ہوگی اس اسپتال کے بستر پر لیٹے ہوئے ہو کچھ کہہ بھی نہیں سکتا۔''

''شکریہ بنوازش۔'' وہ فوراً کورنش بجا لایا تھا۔ ولید نے اسے گھور کر دیکھا پھر مسکرا کر دوبارہ بستر پر بیٹھ گیا۔



وہ پریشانی میں کمرے سے نکلی تھی۔ زہرہ پھپو لاؤنج میں بیٹھی ہوئی تھیں انہوں نے اسے پریشان دیکھا تو پوچھ لیا۔

''کیا ہوا؟'' اس نے ہاتھوں میں موبائل پکڑ رکھا تھا ان کے سوال پر ان کے پاس آ بیٹھی تھی۔

''میں پچھلے دنوں سے کئی بار امی کو کال کر چکی ہوں مگر وہ مجھ سے بات ہی نہیں کرتیں۔'' وہ پریشان تھی زہرہ پھپو چونکی تھیں لاؤنج کے دروازے سے اندر داخل ہوتے شاہزیب صاحب بھی وہیں رک گئے تھے۔

''کیوں؟''

''پتا نہیں، پہلے دن تو میرا موبائل بند تھا مگر جب سے آن کیا ہے کئی بار حویلی کال کر چکی ہوں مگر وہ ریسیو نہیں کر رہیں۔ تاج یا کوئی ملازم ہوتا ہے ہر بار کہہ دیا جاتا ہے کہ وہ مصروف ہیں نماز پڑھ رہی ہیں، واش روم میں، سو رہی ہیں میں ہر بار کہتی ہوں کہ جب وہ فارغ ہوں انہیں کہیے گا کال بیک کریں مگر انہوں نے ایک بار بھی کال نہیں کی۔'' وہ روہانسی ہو رہی تھی۔ شاہزیب صاحب نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔

''بابا صاحب سے بات ہوئی؟'' پھپو نے پوچھا۔

''جی کئی بار مگر وہ بھی یہی جواب دیتے ہیں۔'' وہ فکر مند تھی۔

ادھر مصطفیٰ کی ٹینشن تھی اور ادھر ان کے کال ریسیو نہ کرنے کی۔

''ہو جاتا ہے ایسا، تم پھر کال کر لینا۔'' پھپو نے تسلی دی تبھی شاہزیب صاحب اندر آئے تھے۔

''کیا بات ہے بیٹا؟'' مشہوار ان کو دیکھ کر احتراماً کھڑی ہو گئی تھی۔

''اپنی امی کی طرف سے پریشان ہو رہی ہے تابندہ سے بات نہیں ہو پا رہی اس کی۔'' پھپو نے ہی شاہزیب صاحب کو بتایا۔

''تو اس میں پریشان ہونے والی کیا بات ہے کہیں بزی ہوں گی۔'' انہوں نے سر پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی۔
''مگر ایسا پہلے کبھی بھی نہیں ہوا نا وہ جتنی بھی بزی ہوں میری کال کے بعد کال بیک ضرور کرتی ہیں۔'' وہ واقعی از حد پریشان تھی۔
''اچھا اس الجھن کو چھوڑو بیٹا، میں اسپتال جا رہا ہوں چلیں گی میرے ساتھ؟'' انہوں نے اس کا دھیان بٹانے کو فوراً کہا تو اس نے ایک گہرا سانس لیتے انہیں دیکھا۔
''میں نے سنا ہے سبھی مصطفیٰ کو دیکھنے گئے ہیں مگر آپ ایک بار بھی نہیں گئیں۔'' وہ انکل کے اس سوال پر ایک دم شرمندہ ہوگئی تھی۔
وہ تو مصطفیٰ کا سامنا کرنے کی خود میں ہمت نہیں پاتی تھی مگر انکل سے یہ کیسے کہہ دیتی۔
''سوری انکل اس وقت تو میری دوست انا آ رہی ہے۔ اس کی ابھی کال آئی تھی تو آنے کی اطلاع دے رہی تھی۔''
انکل کو اس نے بتایا تو انہوں نے سر ہلا دیا۔
''کوئی بات نہیں کل یا پرسوں مصطفیٰ کو ڈسچارج کرا کر لے آئیں گے ہم، پریشان نہیں ہوتے تابندہ کہیں بزی ہوں گی۔'' انہوں نے تسلی دی تو وہ سر ہلا گئی تھی۔
وہ زہرہ پھپھو کو ہمراہ لیے چلے گئے تو وہ اپنے کمرے میں آ گئی رات وہ مصطفیٰ والے کمرے میں تھی مگر صبح سے اپنے ہی کمرے میں تھی۔ کچھ دیر بعد ملازمہ اس کی دوستوں کی اطلاع کے ہمراہ آ گئی تھی۔
وہ صبح سے عام سے حلیے میں تھی مگر ملازمہ کو ان کو بٹھانے کا کہہ کر فوراً واش روم میں گھس گئی تھی اچھا سا لباس پہن کر ہلکی پھلکی جیولری کے ہمراہ جب وہ ڈرائنگ روم میں آئی تو انا کے ساتھ دو تین اور کلاس فیلوز کو دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔
''کیسی ہو؟'' وہ فرداً فرداً سب سے گلے ملی تھی۔ ان کے سوال پر سر ہلا کر بیٹھ گئی تھی۔
''تم نے ذکر ہی نہیں کیا کہ تم کالج گئی ہوئی تھی۔'' اس نے انا سے کہا۔
''ہاں میں اگلے دن ہی سے کالج جا رہی ہوں آج بھی کالج سے جلدی وقت نکال کر ان لوگوں کے ساتھ ادھر آئی ہوں۔'' انا نے اپنی کلاس فیلوز کو دیکھ کر کہا۔
وہ تینوں پہلے تو اس سے یوں چھپ چھپا کر شادی کر لینے پر خوب خفا ہوئی تھیں اور پھر مصطفیٰ کے حوالے سے حال احوال پوچھنے لگی تھیں۔
''یار ہم دونوں کالج سے غائب ہیں اور پھر دوبارہ کالج جانے پر ان لوگوں نے پوچھا تو میں نے بتا دیا کہ تمہاری شادی اٹینڈ کر رہی تھی ویسے بھی اب اس میں چھپانے والی کوئی بات تھی نہیں جو میں چھپاتی۔'' انا نے بھی وضاحت کی تھی وہ خاموش ہوگئی تھی۔
صبا، عائشہ اور لائبہ بھی ڈرائنگ روم میں آ گئی تھیں باقی مہمان جا چکے تھے صرف دونوں پھپھو عائشہ اور صبا موجود تھیں۔ ان کا ارادہ چند دن ٹھہر کر جانے کا تھا۔ ملازمہ ان لوگوں کے لیے کھانے پینے کے لوازمات لے آئی تھیں۔
اس کے بعد عائشہ کے کہنے پر شہوار ان سب کو گھر دکھانے لگی تھی۔ سارا گھر دکھانے کے بعد وہ ان کی فرمائش پر ان کو مصطفیٰ والے روم میں لے آئی تھی پنک رنگ کی کلر اسکیم کے تحت سارا کمرہ ڈیکوریٹ کیا ہوا تھا۔ انا بھی پہلی بار مصطفیٰ کا کمرہ دیکھ رہی تھی اس کی آنکھوں میں ستائش تھی۔
''ماشاء اللہ تم تو بہت لکی ہو شہوار اتنا اچھا سسرال ملا ہے تمہیں۔'' ان کی دوستیں اس پر رشک کر رہی تھیں۔ شہوار نے ایک گہرا سانس لیا۔

''مصطفیٰ بھائی کا کمرہ تو بہت ہی پیارا ہے۔'' مرجھائے ہوئے پھولوں کی ڈیکوریشن جوں کی توں تھی۔ کسی نے بھی ان کو اتارنے کا نہیں کہا تھا اور نہ ہی شہوار نے سوچا تھا۔ انانے اطراف میں دیکھتے مسکرا کر کہا تھا۔

''تم مصطفیٰ بھائی سے ملنے اسپتال گئی تھیں۔'' اچانک اسے یاد آیا تو اس نے پوچھا تو وہ ایک دم گھبرائی تھی فوراً دوستوں کی طرف پلٹی۔

''آؤ تم سب کو باہر لان دکھاؤں۔'' وہ انا کا سوال ٹال گئی تھی انا نے پرسوچ نظروں سے اسے دیکھا۔

''تو کیا شہوار ابھی بھی اسی مقام پر ہے۔'' اس کے اندر بے چینی سی پیدا ہونے لگی تھی۔ جی تو چاہا کہ فوراً اس سے سوال و جواب شروع کردے مگر اس کے ہمراہ دوستوں کو دیکھ کر وہ خاموش رہی تھی۔ وہ سب کچھ دیر مزید رکی تھیں اور پھر چلی گئی تھیں۔ ان کو رخصت کر کے وہ اندر آئی تو عائشہ اس کا موبائل تھامے کھڑی تھی باقی سب دریہ سمیت لاؤنج میں بیٹھی ہوئی تھی۔

''میں تمہارے نمبر سے مصطفیٰ کے سیل پر کال کر رہی ہوں پہلے تو اس نے کال ریسیو ہی نہیں کی اور اب اس کا نمبر ہی بند ہے۔'' عائشہ نے حیران ہوتے کہا تو وہ اپنی جگہ پر چور سی بن گئی۔

دریہ نے استہزائیہ مسکرا کر اسے دیکھا جبکہ وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھی۔

''پتا نہیں میری صبح تو بات ہوئی تھی۔'' اس نے بہانا کیا۔

''تو اب نمبر کیوں بند ہے میرے سیل میں بھی کریڈٹ نہیں ہے۔'' عائشہ بار بار نمبر ملا رہی تھی۔

''تو گھر والے نمبر سے کال کرلو۔'' آفاق کو کھانا کھلاتے لائبہ بھابی نے کہا۔

''ہاں دیکھتی ہوں۔'' وہ لینڈ لائن سے کال کرنے لگی۔

''اب بھی بند ہے۔'' اس نے کریڈل رکھتے کہا۔

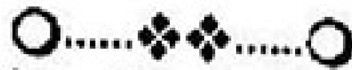
''بیٹری کی چارجنگ ختم ہوگئی ہوگی۔'' صبا نے کہا تو اس نے سر ہلا دیا۔

وہ خاموشی سے سیل اٹھا کر اپنے روم میں آ گئی۔

کل رات کے بعد اس نے مصطفیٰ کے نمبر پر کال نہیں کی تھی اور اب عائشہ نے نمبر ملایا اور مصطفیٰ سمجھا ہوگا کہ وہ کال کر رہی ہے اس نے کال بند کردی۔ وہ سوچتے ہوئے بستر پر لیٹ گئی۔

مصطفیٰ کے اس رویے نے اسے ایک دم اندر سے بے چین کر دیا تھا۔

''کیا واقعی وہ اس قدر خفا ہو گیا ہے کہ اب مجھ سے بات بھی نہیں کرنا چاہتا مگر اس رات میں نے اس سے ایسا کچھ کہا بھی نہیں تھا کہ جس کو لے کر اس قدر شدید ری ایکٹ کرتا کہ بات کرنا بند کردی جاتی۔'' وہ تکلیف سے کڑھ رہی تھی۔



تابندہ بوا صبح صبح گھر سے نکلی تھیں۔ ایک دو دن میں ہی اس گھر کے مکینوں کی مالی حالت بہت اچھی طرح ان کے سامنے آ گئی تھی۔ ان کے پاس بھی ایسا کچھ خاص سرمایہ نہ تھا کہ ان کی مدد کرتیں جو کچھ بابا صاحب اور دیگر لوگ حویلی کے اخراجات کے نام پر دیتے تھے وہ ایمان داری سے حویلی کی ضروریات پر لگا دیا کرتی تھیں اور جو اضافی خرچ کے لیے ان کو دیا جاتا تھا وہ جمع کرتی رہی تھیں کچھ شہوار کی شادی میں خرچ کردیا تھا اور کچھ رقم وہ ساتھ لے آئی تھیں۔ انہوں نے گھر کے لیے کچھ سامان خریدا تھا فرید کے لیے ادویات اور پھل لیے تھے ساری فیملی کے لیے لباس اور گھر کی ضروریات کے لیے چند ضروری ساز و سامان خرید کر انہوں نے رکشے میں رکھا گھر کی طرف چل دی یہاں مرکزی سڑک زیر تعمیر تھی رکشے والا ان کو اندرونی علاقے کی ذیلی سڑکوں سے گزار کر لا رہا تھا تبھی ایک جگہ سے گزرتے ان کی نگاہ

پڑی تو وہ ساکن ہوگئی تھیں۔

"رکو۔" انہوں نے رکشے والے کو کہا تو اس نے رکشہ روک دیا۔ انہوں نے بے چین نگاہوں سے سامنے موجود ویران اور سنسان عمارت کو دیکھا دیواریں اور چھتیں گر چکی تھیں۔ ٹوٹی پھوٹی یہ عمارت کبھی بڑی شان اور خوب صورتی کے ساتھ اپنی جگہ کھڑی تھی اور آج عہدرفتہ کی کوئی داستان سنا رہا تھی۔ تابندہ کی آنکھوں میں نمی آنے لگی تو ہونٹ بھینچ لیے۔

ڈھیر اینٹیں، دروازے ندارد تھے اور جڑی بوٹیوں کی بہتات نے عمارت کو بالکل ہی سنسان اور بنجر بنا ڈالا تھا جبکہ ارد گرد موجود بڑی بڑی عمارتیں بڑی شان کے ساتھ اپنی جگہ ایستادہ تھیں۔

"ادھر اترنا ہے کیا؟" انہیں اس طرح گم صم دیکھ کر رکشے والے لڑکے نے پوچھا تو تابندہ چونک کر اپنے حواسوں میں لوٹ آئیں تھیں۔

"نہیں، چلو۔" دل پر گویا ایک قیامت سی برپا ہوگئی تھی۔ رکشے والے نے پھر رکشہ اسٹارٹ کیا تھا۔ باقی سارا رستہ وہ غائب دماغی سے ہی بیٹھی رہی تھیں۔ رکشے والے کو کرایہ ادا کرکے اندر آ گئی تھیں لڑکا ان کا سامان اتار کر گھر کے اندر رکھ گیا تھا ساجدہ اتنا سارا ساز و سامان دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔

"اس سب کی کیا ضرورت تھی آپا؟"

"لو ضرورت کیوں نہیں، مجھے تو یہ دیکھ دیکھ کر حیرت ہو رہی ہے نجانے کیسے گزارا کرتی ہو تم، کوئی روزگار بھی نہیں ایسے زندگی چلتی ہے بھلا؟" تابندہ نے کہا تو ساجدہ نے ایک گہرا سانس لیا۔

"فرید کے فالج کے بعد اس کے اسکول والوں نے مل ملا کر کافی مدد کی تھی اور پھر افسروں سے کہہ سن کر پنشن لگوا دی تھی بس اسی سے گزر بسر ہو جاتی ہے۔" ساجدہ نے کہا تو تابندہ نے گہرا سانس لیا۔

فرید کو میٹرک کے بعد پرائمری اسکول میں کلرک کی گورنمنٹ جاب ملی تھی مگر فالج کی وجہ سے اس کی حالت ایسی ہوگئی تھی کہ اس کے ساتھیوں نے مل ملا کر پنشن کا انتظام کرا دیا تھا۔

"خیر اب میں آ گئی ہوں فکر کرنے کی ضرورت نہیں، پنشن کی رقم تم بچوں کی پڑھائی پر لگا لیا کرو گھر کے اخراجات اور دوسری ضروریات میری ذمہ داری ہے۔" تابندہ کے محبت بھرے انداز پر ساجدہ نے ایک گہرا سانس لیتے سر ہلا دیا تھا۔

"فرید نے ایک بار بتایا تھا کہ یہ گھر آپ کا تھا جو آپ نے اماں جی کے نام لکھ دیا تھا اور خود کہیں اور چلی گئی تھیں۔" ساجدہ نے کہا تو انہوں نے چونک کر دیکھا۔

"اور کیا کچھ کہا تھا فرید نے۔"

"اور تو کچھ نہیں، بس یہی بتایا تھا۔" تابندہ نے سر ہلایا۔

ساجدہ سامان سمیٹنے لگی تو وہ اٹھ کر اندر کمرے کی طرف بڑھ گئی تھیں۔

○......❖❖......○

ولید شام میں دوبارہ اسپتال آیا تو اس بار بھی کاشفہ سو رہی تھی اس کی بہن عادلہ موجود تھی وہ کافی خوش اخلاقی سے ملی تھی۔ درحقیقت وہ بھی اپنی بہن کی طرح ولید سے اچھی خاصی متاثر ہو چکی تھی اور پہلی بار عادلہ کو کاشفہ کی پسند اچھی لگی تھی۔ ورنہ اس کی جن جن لڑکوں سے دوستیاں تھیں عادلہ کو وہ سب ایک آنکھ نہ بھاتے تھے۔ مگر ولید سے ہر بار ملنے پر وہ ضرور خوش ہوتی تھی۔

ولید وہاں کچھ دیر رکا تھا کاشفہ بیدار نہیں ہوئی تو وہ اس کی بہن سے اجازت لے کر وہاں سے نکل آیا تھا۔

وہ گھر پہنچا تو سبھی موجود تھے وہ سلام دعا کرتا اپنے کمرے کی طرف آ گیا پھر چینج کر کے دوبارہ لاؤنج میں آیا تو وہاں انا

کو تنہا بیٹھے دیکھ کر رک گیا انا صوفے پر نیم دراز کسی گہری سوچ میں گم تھی۔

"کیا بات ہے، کیا سوچ رہی ہو؟" اندر آ کر پوچھا تو وہ ولید کو دیکھ کر فوراً سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

"کچھ نہیں، ویسے ہی۔"

"روشی کدھر ہے؟" وہ اس کے سامنے والے صوفے پر ٹک گیا۔

"اپنے روم میں۔" ولید نے سر ہلا دیا۔

"تم کالج گئی تھی؟" اس نے پوچھا۔

"ہوں، میں شہوار کے ہاں بھی گئی تھی چند دوستوں کے ساتھ۔" اس نے بتایا۔

"اچھا کیسی ہے وہ؟"

"ٹھیک ہے۔ مصطفیٰ بھائی کا سنائیں کب گھر شفٹ ہو رہے ہیں؟" اس نے بھی پوچھا۔

"ممے بی کل یا پرسوں۔" ولید نے کہا تو وہ سر ہلا کر کھڑی ہوگئی۔ ولید نے اسے سوالیہ دیکھا۔

"آتی ہوں میں۔ ماما نے کھانا لگانے کا کہا تھا وہ دیکھ لوں ذرا۔" وہ کہہ کر کچن میں آ گئی تھی ماما اور صغراں کھانا دیکھ رہی تھیں کھانا تقریباً تیار ہی تھا۔

اس نے اور صغراں نے کھانا لگایا پھر سبھی کھانے کی ٹیبل پر آ گئے تھے۔ کھانے کے بعد حسب روٹین انا نے صغراں کے ساتھ مل کر ٹیبل سمیٹی تھی۔ صغراں برتن دھونے لگی اور انا چائے بنانے لگی تھی۔ چائے بنا کر سب کو سرو کی تھی ولید باہر لان کی طرف چلا گیا تھا وہ اپنا اور اس کا مگ لیے لان میں چلی آئی تھی۔ ولید کسی سے موبائل پر بات کر رہا تھا۔

"ہاں آیا تھا میں اور تم دونوں بار میڈیسن لے کر سوئی ہوئی تھیں۔" ولید کسی سے کہہ رہا تھا انا ایک دم ٹھٹک کر اپنی جگہ پر ہی کھڑی ہوگئی تھی۔

"اوہ کاشفہ ڈونٹ بی سلی اگین۔" ولید نے جھنجلا کر کہا تھا کاشفہ کا نام سن کر انا کے اندر ایک دم شدید اضطراب کی لہر اٹھی تھی۔

"ڈونٹ بی ایموشنل، اگر تم سمجھتی ہو کہ تمہاری اس حرکت نے مجھ پر کوئی اثر کیا ہے تو تم نے سراسر بے وقوفی کی ہے میں ان حرکتوں سے متاثر نہیں ہونے والا۔" ولید کے لہجے میں عجیب سی سختی تھی۔

وہ نجانے کس بارے میں بات کر رہا تھا مگر انا کے اندر توڑ پھوڑ کرنے کے لیے بس یہ بات ہی کافی تھی کہ دوسری طرف کوئی اور نہیں کاشفہ تھی۔

"میرے لیے انسانیت کی خاطر نیکی کرنا زیادہ اہم تھا ورنہ جس طرح تم نے ری ایکٹ کیا تھا میری جگہ کوئی اور ہوتا تو کبھی پلٹ کر نہ دیکھتا۔" ولید کے الفاظ میں غصہ تھا۔

"فار گاڈ سیک کاشفہ، یہ محبت وحبت کا اظہار پلیز رہنے دو تم جتنا ان الفاظ کو دہراؤ گی مجھے اتنا ہی فیڈ اپ کرو گی۔" ولید کے انداز میں اب کے خاصی تلخی اور ناگواری تھی غصے سے کہتے وہ ایک دم پلٹا تھا مگر اپنے سامنے دونوں ہاتھوں میں چائے کے مگ لیے کھڑی انا کو دیکھ کر رک گیا تھا۔

"تم......" اس نے فوراً کان سے موبائل ہٹایا تھا اس نے جلدی سے کال کاٹی تھی۔ انا لب بھینچ کر پلٹی تھی۔ اس کا چہرہ ایک دم دھواں ہو رہا تھا اور آنکھوں میں مرچیں سی لگ رہی تھیں۔

"انا رکو، کیا ہوا؟" وہ انا کے اس ری ایکٹ پر گھبرا کر فوراً پیچھے آیا تھا۔

"انا......" اس نے فوراً انا کے سامنے آ کر اس کا راستہ روکا۔

"کیا ہوا؟" وہ پوچھ رہا تھا اطراف میں اندھیرا تھا مگر اندر کی جانب کی روشنیوں نے پھر بھی لان کے حصے کو کچھ حد تک روشن کر رکھا تھا۔ انا نے بڑے ضبط سے خود پر قابو پایا تھا۔

اس نے بڑی شکایتی نگاہوں سے ولید کو دیکھا تو وہ ایک دم گہرا سانس لینے پر مجبور ہو گیا تھا۔

"چلو آؤ ادھر بیٹھتے ہیں۔" اس نے سیڑھیوں کی طرف اشارہ کیا تو انا نے لب بھینچ لیے۔

ولید نے خود ہی اس کے ہاتھ سے چائے کا مگ لے کر سیڑھیوں پر بٹھایا اور خود بھی ساتھ بیٹھ کر اسے دیکھا تھا۔ وہ ضبط سے ہونٹ بھینچے مگ کو گھور رہی تھی۔

"پوچھو گی نہیں میں کس سے بات کر رہا تھا۔" ولید نے خود ہی بات کا آغاز کیا تو وہ خاموش ہی رہی۔

"کاشفہ تھی اس نے کل رات نیند کی گولیاں کھالیں تھیں۔ مگر بروقت امداد سے اس کی جان بچالی گئی تھی۔" ولید نے کہا تو اس نے ایک دم چونک کر اسے دیکھا۔ وہ حیران ہوگئی تھی مگر کچھ بھی پوچھنے سے احتراز برتا تھا۔

"بس میں اسے یہی سمجھا رہا تھا مگر وہ بہت ایموشنل ہو رہی تھی کچھ سمجھ ہی نہیں پا رہی تھی۔" ولید نے مزید بتایا تو وہ خاموشی سے اسے دیکھے گئی تھی۔

"اس نے نیند کی گولیاں کیوں کھائیں تھیں؟" اس نے بہت سنجیدگی سے پوچھا تو ولید نے چائے کا مگ سائیڈ پر رکھا۔

"وہ کہتی ہے وہ مجھ سے محبت کرتی ہے۔" ولید نے سنجیدگی سے بتایا تھا جبکہ انا کو لگا کہ اس کا سانس رکنے لگا ہو۔

"محبت......" اس کے ہونٹ ہلے تھے اس کی آنکھوں میں ایک دم بے یقینی کی کیفیت پیدا ہوئی تھی۔

"وہ چاہتی تھی کہ میں اس کی محبت قبول کرلوں۔" انا کو اپنا دل بند ہوتا محسوس ہوا تو اس کے ہاتھ سے چائے کا مگ گر گیا۔

"ولی......" اس نے ولید کو دیکھا۔

"لیکن میں نے انکار کر دیا تھا۔" انا کو اگلے پل لگا کہ اس کے اعصاب کو لگنے والا یہ جھٹکا پہلے سے زیادہ شدید ہے۔

"وہ بہت ایموشنل ہو رہی تھی اور اس نے نیند کی گولیاں کھالیں تھیں۔" انا نے لب بھینچ لیے۔ وہ چند پل تک تو بالکل گم صم رہی تھی۔ اسے لگا کہ ولید کے اس انکشاف نے اس کی قوت گویائی کو بالکل مفلوج کر کے رکھ دیا تھا۔

"کچھ نہیں کہو گی اس بارے میں؟" اس کی خاموشی پر ولید نے پوچھا تو انا لب بھینچ کر ایک دم کھڑی ہوگئی تھی۔

"انا؟" ولید نے پکارا تو وہ بہت ضبط سے رکی تھی۔

"وہ آپ کی دوست ہے میں بھلا کیا کہہ سکتی ہوں۔" لہجے میں تلخی تھی۔

"مگر پھر بھی کوئی رائے تو ہوگی نا تمہاری؟" ولید نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"اس سے روابط بڑھاتے وقت آپ نے مجھ سے میری رائے تو نہیں پوچھی تھی۔" انا نے غصے سے کہا تو ولید نے کچھ کہنا چاہا مگر پھر خاموش ہو گیا۔

انا پھر رکے بغیر وہاں سے چلی آئی تھی۔ وہ چائے کا مگ سنک میں رکھتے سیدھا اپنے کمرے میں آئی تو ولید کے اس انکشاف نے گویا اس کے اندر ایک آگ سی جلا ڈالی تھی، کیتھی کے بعد اب یہ کاشفہ۔ اس نے خود کو بہت کمپوزڈ کرلیا تھا مگر آج کی ولید کی گفتگو سن کر وہ جیسے پھر سے اندر تک ادھڑ گئی تھی وہ پھر سے نئے سرے سے اسی اذیت کی آگ میں جلنے لگی تھی۔

O.......❖❖❖.......O

''کیا ہوا؟'' وہ پوچھ رہا تھا اطراف میں اندھیرا تھا مگر اندر کی جانب کی روشنیوں نے پھر بھی لان کے حصے کو کچھ حد تک روشن کر رکھا تھا۔ انا نے بڑے ضبط سے خود پر قابو پایا تھا۔

اس نے بڑی شکایتی نگاہوں سے ولید کو دیکھا تو وہ ایک دم گہرا سانس لینے پر مجبور ہوگیا تھا۔

''چلو آؤ ادھر بیٹھتے ہیں۔'' اس نے سیڑھیوں کی طرف اشارہ کیا تو انا نے لب بھینچ لیے۔

ولید نے خود ہی اس کے ہاتھ سے چائے کا مگ لے کر سیڑھیوں پر بٹھایا اور خود بھی ساتھ بیٹھ کر اسے دیکھا تھا۔ وہ ضبط سے ہونٹ بھینچے مگ کو گھور رہی تھی۔

''پوچھو گی نہیں میں کس سے بات کر رہا تھا۔'' ولید نے خود ہی بات کا آغاز کیا تو وہ خاموش ہی رہی۔

''کاشفہ تھی اس نے کل رات نیند کی گولیاں کھالیں تھیں۔ مگر بروقت امداد سے اس کی جان بچالی گئی تھی۔'' ولید نے کہا تو اس نے ایک دم چونک کر اسے دیکھا۔ وہ حیران ہوگئی تھی مگر کچھ بھی پوچھنے سے احتراز برتا تھا۔

''بس میں اسے یہی سمجھا رہا تھا مگر وہ بہت ایموشنل ہو رہی تھی کچھ سمجھ ہی نہیں پا رہی تھی۔'' ولید نے مزید بتایا تو وہ خاموشی سے اسے دیکھے گئی تھی۔

''اس نے نیند کی گولیاں کیوں کھائیں تھیں؟'' اس نے بہت سنجیدگی سے پوچھا تو ولید نے چائے کا مگ سائیڈ پر رکھا۔

''وہ کہتی ہے وہ مجھ سے محبت کرتی ہے۔'' ولید نے سنجیدگی سے بتایا تھا جبکہ انا کو لگا کہ اس کا سانس رکنے لگا ہو۔

''محبت......'' اس کے ہونٹ ہلے تھے اس کی آنکھوں میں ایک دم بے یقینی کی کیفیت پیدا ہوئی تھی۔

''وہ چاہتی تھی کہ میں اس کی محبت قبول کرلوں۔'' انا کو اپنا دل بند ہوتا محسوس ہوا تو اس کے ہاتھ سے چائے کا مگ گر گیا۔

''ولی......'' اس نے ولید کو دیکھا۔

''لیکن میں نے انکار کر دیا تھا۔'' انا کو اگلے پل لگا کہ اس کے اعصاب کو لگنے والا یہ جھٹکا پہلے سے زیادہ شدید ہے۔

''وہ بہت ایموشنل ہو رہی تھی اور اس نے نیند کی گولیاں کھالیں تھیں۔'' انا نے لب بھینچ لیے۔ وہ چند پل تک تو بالکل گم صم رہی تھی۔ اسے لگا کہ ولید کے اس انکشاف نے اس کی قوت گویائی کو بالکل مفلوج کر کے رکھ دیا تھا۔

''کچھ نہیں کہو گی اس بارے میں؟'' اس کی خاموشی پر ولید نے پوچھا تو انا لب بھینچ کر ایک دم کھڑی ہوگئی تھی۔

''انا؟'' ولید نے پکارا تو وہ بہت ضبط سے رکی تھی۔

''وہ آپ کی دوست ہے میں بھلا کیا کہہ سکتی ہوں۔'' لہجے میں تلخی تھی۔

''مگر پھر بھی کوئی رائے تو ہوگی نا تمہاری؟'' ولید نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''اس سے روابط بڑھاتے وقت آپ نے مجھ سے میری رائے تو نہیں پوچھی تھی۔'' انا نے غصے سے کہا تو ولید نے کچھ کہنا چاہا مگر پھر خاموش ہوگیا۔

انا پھر کچھ کہے بغیر وہاں سے چلی آئی تھی۔ وہ چائے کا مگ سنک میں رکھتے سیدھا اپنے کمرے میں آئی تو ولید کے اس انکشاف نے گویا اس کے اندر ایک آگ سی جلا ڈالی تھی، کیتھی کے بعد اب یہ کاشفہ۔ اس نے خود کو بہت کمپوزڈ کرلیا تھا مگر آج پھر ولید کی گفتگو سن کر وہ جیسے پھر سے اندر تک ادھڑ گئی تھی وہ پھر سے نئے سرے سے اسی اذیت کی آگ میں جلنے لگی تھی۔

○......❁❁❁......○

مصطفیٰ اسپتال کے قیام سے تنگ آچکا تھا اسے لگ رہا تھا کہ جیسے اس کی ساری ایکٹیوٹیز ختم ہو کر رہ گئی ہیں۔ ڈاکٹرز کا خیال تھا کہ وہ ایک دو دن اور اسپتال میں رہ لے مگر مصطفیٰ ڈسچارج ہونے کی ضد پکڑے ہوئے تھا مصطفیٰ کے تیور دیکھتے شاہزیب صاحب نے ڈاکٹر سے بات ڈسچارج کی کرلی تھی اور پھر اس طرح وہ ان کے ہمراہ گھر جا رہا تھا۔ شاہزیب صاحب نے گھر اطلاع کردی تھی کہ مصطفیٰ آج ڈسچارج ہو کر گھر آ رہا ہے۔ مہرالنساء کی خوشی دیدنی تھی۔

خوش تو شہوار بھی تھی مگر اسے ان چند دنوں میں روا رکھا گیا مصطفیٰ کا رویہ اندر ہی اندر خوف زدہ کیے ہوئے تھا۔ ماں جی نے اسے اچھی طرح ڈریس اپ ہونے کا کہا تو اس نے ان کی ہدایت کے مطابق لباس بدل لیا تھا ہلکی پھلکی جیولری پہلے ہی وہ پہنے ہوئے تھی سوہاتی اہتمام کرنے سے اس نے گریز ہی کیا تھا۔ دوپہر ایک بجے کے قریب شاہزیب صاحب کے ہمراہ مصطفیٰ گھر آ گیا تھا۔

"شہوار مصطفیٰ بھائی آ گئے ہیں۔" وہ اپنے کمرے میں ہی تھی جب صبا نے آ کر بڑے پرجوش انداز میں اطلاع دی تھی۔ شہوار کا چہرہ ایک دم رنگ بدلنے لگا تھا۔ سینے کے اندر موجود دل الگ اودھم مچانے لگا تھا۔ صبا فوراً کہہ کر کمرے سے نکل گئی تھی وہ لب کاٹتے بستر پر بیٹھ گئی تھی۔ نجانے باہر کس طرح مصطفیٰ کا استقبال کیا گیا تھا۔ کون کون تھا، وہ بھلا باہر جا کر سب کو کیسے فیس کرتی؟ اور سب سے بڑھ کر مصطفیٰ کو فیس کرنا۔ اسے ابھی سے پسینے چھوٹتے محسوس ہو رہے تھے۔ وہ خاموشی سے اسی طرح بستر پر بیٹھی رہی تھی۔ باہر لاؤنج میں سبھی مصطفیٰ کے گرد اکٹھے تھے۔

ماں جی کو تو بس اس کی فکر ستائے جا رہی تھی۔ گولی بازو اور کندھے پر لگی تھی جہاں ابھی بھی بینڈیج موجود تھی مگر ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس کو ہتھیلی کا چھالا بنا کر رکھ لیتیں۔

انہوں نے فوراً ملازمہ کو پرہیزی قوت بخش کھانا پکانے کا آرڈر کیا تھا جب سے مصطفیٰ کے ساتھ یہ حادثہ ہوا تھا وہ کئی بار صدقہ وخیرات کرچکی تھی اب پھر اس کے گھر آنے پر انہوں نے ملازمین کو پیسے دیے تھے۔

"ماں جی میں ٹھیک ہوں، خدانخواستہ بالکل مفلوج نہیں ہوا، بس یہ بازو ابھی کام کاج کرنے سے قاصر ہے باقی میں بالکل فٹ ہوں۔" ماں جی کوئی دسویں بار تم ٹھیک تو ہو نا تھک تو نہیں گئے لیٹنا تو نہیں۔" پوچھا تھا آخرکار مصطفیٰ نے جھنجلا کر کہا۔

"اللہ نہ کرے، یہ خوشیوں کے دن تھے نجانے کس بدخواہ کی نظر لگی ہے ورنہ تمہاری شادی سے متعلق کیا کیا ارمان نہیں تھے دل میں، اللہ نے تمہیں صحت وتندرستی دی ہے میں تو دن رات اس کا شکر ادا کرکے نہیں تھکتی اور تم ایسی بدعائیں منہ سے نکال رہے ہو۔" مصطفیٰ چڑچڑا ہو گیا تھا ماں جی کے ڈانٹنے پر خاموش ہو گیا تھا۔

"شہوار کدھر ہے بتایا نہیں کہ مصطفیٰ گھر آیا ہے؟" اسے کہہ کر انہوں نے باقی لوگوں کو دیکھا تھا۔ مصطفیٰ نے بھی نظر اٹھا کر حاضرین کو دیکھا تھا۔

"ماں جی میں چینج کرلوں اتنے دنوں سے اسپتال اور میڈیسن کی اسمیل نے حشر نشر کر رکھا ہے میرا۔" کہہ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"نہانا مت بس کپڑے بدل لو، زخم ابھی تازہ ہیں۔" ماں جی نے کہا تو مگر وہ سنی ان سنی کرتا اپنے کمرے کی طرف بڑھا تھا۔

وہ روزانہ ہاتھ لینے والا شخص اس طرح چند دن سے مجبوراً خود کو بہلا رہا تھا مگر اب گھر آتے ہی وہ اپنے حلیے کو بدلنا چاہتا تھا۔ وہ کمرے میں چلا آیا تھا۔

ماں جی نے اسے متفکر نظروں سے اندر جاتے دیکھا تھا۔ یہ سوچتے وہ شہوار کے کمرے کی طرف چلی آئی تھیں وہ ابھی تک عجیب کشمکش میں گرفتار بیٹھی ہوئی تھی۔ انہوں نے اسے دیکھ کر ایک گہرا سانس لیا۔

ہلکے نیلے رنگ کے لباس میں وہ بہت ہی پیاری لگ رہی تھی۔

''شہوار.....'' انہوں نے پکارا تو وہ ان کو دیکھ کر فوراً کھڑی ہوگئی۔

''جی۔''

''مصطفیٰ گھر آیا ہے تم باہر ہی نہیں آئیں۔'' قریب آ کر انہوں نے محبت سے کہا تو وہ خاموشی سے سر جھکا گئی۔

''جاؤ شاباش وہ کمرے میں گیا ہے اسے دیکھو۔ وہ ہاتھ لینا چاہتا ہے میں نے منع بھی کیا ہے کہ زخم تازہ ہے مگر مانا ہی نہیں۔ تم جاؤ دیکھو اسے کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔'' انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر محبت سے کہا تو شہوار اپنی جگہ سٹپٹا سی گئی تھی۔

''چلو آؤ۔'' انہوں نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ اس کا دل ایک دم شور مچانے لگا تھا۔

اس کے قدم من من بھر کے ہو رہے تھے وہ مہرالنساء کے ہمراہ چلتے مصطفیٰ کے کمرے تک پہنچی تھی۔

ماں جی ادھ کھلے دروازے کو دھکیلتے اندر داخل ہوئیں تو اسے بھی اندر داخل ہونا پڑا تھا ماں جی کے ہاتھ میں اس کا ہاتھ ابھی تک تھا۔

مصطفیٰ جو کمرے کے درمیان کھڑا سنجیدہ نظروں سے کمرے کی تمام سجاوٹ دیکھ رہا تھا اس نے پلٹ کر دیکھا تھا۔ شہوار کی نگاہ اس کی نگاہوں سے ٹکرائی تھی اس نے ایک دم سٹپٹا کر پلکیں جھکا لی تھیں۔ مصطفیٰ نے بہت سنجیدگی سے اسے دیکھا تھا۔

''السلام علیکم۔'' شہوار نے جھکے سر سمیت ہی کہا۔

مصطفیٰ پھر بھی خاموش رہا تھا۔

ماں جی نے بہو اور بیٹے کو بغور دیکھا تھا مصطفیٰ شہوار کو نظر انداز کیے کمرہ دیکھ رہا تھا۔ مرجھائے ہوئے پھولوں کی سجاوٹ ابھی بھی برقرار تھی۔

''ماں جی کم از کم میرے گھر آنے سے پہلے کمرہ ہی صاف کرا دیتیں۔''

''ایسے کیسے صاف کرا دیتی اتنے ارمانوں سے سجایا گیا تھا کمرہ تم نے تو ابھی دیکھا بھی نہ تھا میں تو لاک کیے رکھتی تھی کہ کوئی تمہارے آنے سے پہلے خراب نہ کردے۔'' شہوار خاموش کھڑی تھی ماں جی نے ہی کہا۔

''بہرحال جو بھی ہے کسی کو بھیجیں یہ سب صاف کرائیں، یہ سب کچھ تو فریش اور وقتی طور پر اچھا لگتا ہے۔'' مصطفیٰ سنجیدگی سے کہہ کر ڈریسنگ کے پاس جا کر مختلف درازیں کھولنے اور بند کرنے لگا تھا۔

اس نے سلیولیس شرٹ پہنی ہوئی تھی بازو پر بینڈیج کی ہوئی تھی کندھے پر بھی پٹی تھی مگر وہ نظر نہیں آرہی تھی سادہ ٹراؤزر پہن رکھا تھا۔

مصطفیٰ ایک دراز سے چابیاں نکال کر الماری کی طرف بڑھا تھا لاک کھول کر اس نے سادہ سی ٹی شرٹ اور ٹراؤزر نکالا تھا۔

''میں واش روم میں جا رہا ہوں پلیز میرے نکلنے سے پہلے یہ سب اتروا دیجیے گا الجھن ہو رہی ہے مجھے یہ سب دیکھ کر۔'' اس نے الماری بند کرتے ماں جی کو دیکھا تھا اس کا انداز ایسا تھا کہ گویا کمرے میں ماں جی کے علاوہ کوئی نہ ہو۔

''نہانا مت زخم گیلے ہو جائیں گے۔'' ماں جی نے فوراً ٹوکا۔

"سوری ماں جی اتنے دنوں بعد تو آزادی نصیب ہورہی ہے میں وہاں ترس گیا تھا ہاتھ لینے کو۔" وہ کہہ کر اپنا ٹاول لے کر واش روم میں گھس گیا۔

ماں جی نے بے چارگی سے شہوار کو دیکھا۔

"مجال ہے جو میری بات مان لے اب زخم گیلے کر لے گا پٹی بھی اتار دے گا۔" وہ فکر مند ہورہی تھیں۔

شہوار کے دل کا موسم پہلے ہی عجیب سا ہو رہا تھا وہ کچھ بھی کہے بغیر خاموش کھڑی رہی تھی۔

"میں کسی کو بھیجتی ہوں کمرہ صاف کرا دینا اور ہاں اگر مصطفیٰ پٹی اتار دے تو مجھے بتانا ابھی زخم تازہ ہیں اور بد احتیاطی نقصان دہ بھی ہوسکتی ہے۔" وہ شہوار کو کہہ کر کمرے سے نکل گئی تھیں۔ کچھ دیر بعد صفائی والی ملازمہ آ گئی تھی۔

"کیا کیا اتارنا ہے چھوٹی بی بی۔" وہ پوچھ رہی تھی شہوار نے اسے پھولوں کی سجاوٹ اتارنے کا کہا۔ بلکہ اس کے ساتھ مل کر خود بھی اس کی مدد کرنے لگی تھی۔ ملازمہ نے تمام سجاوٹ اتار دی تھی قالین پر جابجا سوکھے پھولوں کی پتیاں بکھری ہوئی تھیں۔ وہ ساری اٹھا کر اس نے ڈسٹ بن میں ڈالی تھیں۔ بستر کی چادر جھاڑ کر دوبارہ چادر بچھا دی تھی دیواروں پر لگی سجاوٹ بھی اتار دی تھی پانچ دس منٹ بعد کمرہ دوبارہ اپنی اصل حالت میں تھا۔

"تم یہ قالین اچھی طرح صاف کردو۔" وہ ملازمہ کو ہدایات دے رہی تھی جب مصطفیٰ واش روم سے باہر نکلا تھا۔ اس نے کندھوں پر ٹاول ڈال رکھا تھا اور جسم پر ٹراؤزر تھا شہوار اسے اس حلیے میں دیکھ کر سٹپٹا گئی تھی مصطفیٰ بھی دونوں کو دیکھ کر چونکا تھا۔

"تم جاؤ یہاں سے۔" شہوار نے فوراً ملازمہ کو چلتا کرنا چاہا تھا ملازمہ جلدی جلدی بکھری پتیاں سمیٹ کر ڈسٹ بن میں ڈال کر باہر نکل گئی تھی۔ ملازمہ کے باہر نکلتے ہی مصطفیٰ ڈریسنگ کے سامنے جا کھڑا ہوا تھا۔ شہوار رخ موڑے انگلیاں چٹخانے لگی۔ اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ اب کیا کرے۔ کمرے سے باہر نکلتی تو ماں جی نے نوٹ کرنا تھا اور اگر اندر رکتی تو...... وہ ابھی اسی شش و پنج میں کھڑی تھی کہ کیا کرے ماں جی پھر کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔

"تمہیں منع کیا تھا کہ نہانا نہیں پھر بھی تم نے بات نہیں مانی۔" مصطفیٰ کو دیکھتے ہی انہوں نے خفگی سے کہا۔

"نہایا کب ہوں ماں جی۔"

"یہ خود ہی دیکھ لیں بینڈیج ویسی ہی خشک ہے۔" ٹاول سے سر کے بال خشک کرتے اس نے کہا۔

مہر النساء نے اسے مسکرا کر دیکھنے کے ساتھ اس کے ہاتھ سے ٹاول لے لیا تھا۔

"اچھا کیا ویسے بھی احتیاط بہت اچھی چیز ہے۔" اس کے سر کو خود خشک کرتے انہوں نے کہا۔

شہوار نے کن اکھیوں سے مصطفیٰ کو دیکھا اس کی اس کی طرف پشت تھی۔

"شہوار بیٹا کھڑی کیوں ہو، بیٹھو نا۔" مصطفیٰ کی ٹی شرٹ پہننے میں مدد کرتے ماں جی نے کہا تو وہ چونکی۔ مصطفیٰ نے بھی سر گھما کر دیکھا۔

دونوں کی نگاہ ملی تھی شہوار فوراً نظر جھکا گئی تھی۔ وہ آہستگی سے بستر کے کنارے ٹک گئی تھی۔

"کھانا تیار ہے ادھر ہی کھاؤ گے یا پھر سب کے ساتھ۔" شرٹ پہن کر مصطفیٰ اپنے بالوں میں برش پھیرنے لگا تھا ماں جی نے پوچھا۔

"سب کے ساتھ ہی کھاؤں گا، اتنے دن ہوگئے ہیں اکیلے پرہیزی کھانا کھاتے کھاتے۔" وہ واقعی اس چند دن کے

اسپتال کے قیام کی وجہ سے سخت بے زار ہو چکا تھا۔

"ٹھیک ہے میں کھانا لگواتی ہوں پھر تم دونوں آ جانا۔" ماں جی اسے کہہ کر پھر باہر چلی گئی تھیں۔

شہوار نے نگاہ اٹھا کر دیکھا اس کا عکس سامنے آئینے میں دکھائی دے رہا تھا اور مصطفیٰ آئینے کے سامنے ہی کھڑا تھا اس کا دل ایک دم دھڑکنے لگا۔

وہ مصطفیٰ کی خیریت پوچھنا چاہتی تھی اس کی طبیعت کے بابت دریافت کرنا چاہتی تھی مگر ایک جھجک اور شرم آڑے آ رہی تھی۔

"اب کیسی طبیعت ہے آپ کی۔" مصطفیٰ جیسے ہی آئینے کے سامنے سے ہٹا اس نے ہمت کر کے پوچھ ہی لیا۔ مصطفیٰ نے بہت سنجیدگی سے اسے دیکھا تھا۔

"بددعائیں تو بہت کی ہوں گی مگر بدقسمتی سے بچ گیا ہوں۔" مصطفیٰ کے لہجے میں بے پناہ سنجیدگی تھی۔

شہوار نے چونک کر دیکھا وہ پلٹ کر الماری کا پٹ کھول کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"میں کیوں بددعائیں کرنے لگی آپ کے ساتھ ایسا حادثہ رونما ہو میں نے کبھی بھی ایسا نہیں چاہا تھا۔" اس نے بہت دکھ سے کہا تھا مصطفیٰ نے سر گھما کر دیکھا۔

"وہ بعض بددعائیں ضروری نہیں لفظوں کی صورت ہی ادا کی جائیں بعض اوقات دل سے نکلے لفظ بھی قبولیت کی سند پا جاتے ہیں میں اس حادثے سے پہلے تمہارا ایک ایک رویہ نہیں بھولا کہ خوش گمانیوں میں مبتلا ہو جاؤں۔" مصطفیٰ کا انداز ایک دم سخت پتھریلا ہو گیا تھا۔ شہوار نے لب دانتوں تلے دبا لیے۔

وہ جو کچھ بھی تھا وہ اس کی زندگی کی سب سے بڑی بھول تھی مگر مصطفیٰ کو کیسے سمجھاتی اس کے لیے سب سے اہم اور مشکل مرحلہ ہی بس یہی تھا کہ دل کے اندر جو جذبات تھے ان کو اس نے کبھی بھی زبان پر لانے کی کوشش ہی نہیں کی تھی۔

"ایم سوری فار دیٹ۔" اس نے خود پر جبر کرتے کہہ ہی دیا تھا۔ مصطفیٰ نے کوئی ری ایکشن نہیں دیا تھا۔

"آپ شاید اس بات پر خفا ہے کہ میں اسپتال نہیں آئی۔" اس نے دھیمے لہجے میں کہنا شروع کیا تھا مزید بھی کچھ کہنے والی تھی جب مصطفیٰ نے بہت برہمی سے الماری کا پٹ بند کیا تھا۔ شہوار ایک دم ساکت رہ گئی۔

"خفا؟" وہ بہت غصے سے پلٹا تھا۔ شہوار نے لب بھینچ لیے۔

"میں سوچتا تھا کہ تمہارا جو بھی رویہ ہے یہ سب وقتی ہے جب رشتوں کا مان ملے گا تو سب نارمل ہو جائے گا میں نے بہت فیئر ہو کر یہ رشتہ نبھانا چاہا تھا مگر دوسری طرف ہمیشہ سرد رویہ ہی ملا تم اسپتال نہیں آئی اس رات میں نے کال کی تب بھی وہی گزشتہ رویہ برقرار تھا کیوں؟" مصطفیٰ ایک دم اس کے سامنے آ کر پوچھا تھا۔ شہوار نے کچھ کہنا چاہا اور پھر لب بھینچ لیے۔

"میں نے ہمیشہ اس رشتے کو انانیت کا شکار ہونے سے بچایا ہے مگر اب اس مرحلے پر آ کر جب مجھے سب سے زیادہ شدت سے تمہارے ساتھ اور تمہارے مثبت رویے کی ضرورت تھی تمہارا وہی سرد پن دیکھ کر میرے اندر پلتے تمام خوش گوار احساسات اور جذبات راکھ کا ڈھیر بن چکے ہیں ہر بار میں کیوں یہ ذلت برداشت کروں؟" مصطفیٰ نے سرد لہجے میں یہ سب کہا تھا شہوار نے بہت گھبرا کر اسے دیکھا تھا۔

"مصطفیٰ میں......؟" مصطفیٰ کے کال ریسیو نہ کرنے پر اسے اندازہ تو تھا کہ وہ خفا ہوگا مگر اس قدر بدگمان ہوگا اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔

اس نے کچھ کہنا چاہا تھا جب ملازمہ دروازے پر دستک دے کر اندر داخل ہوئی تھی۔ شہوار خاموش ہو گئی۔

''کھانا لگ گیا ہے بیگم صاحبہ بلا رہی ہیں۔'' وہ اطلاع دے رہی تھی۔
مصطفی ایک سرد نگاہ اس پر ڈالے کچھ کہے بغیر دروازے کی طرف چل دیا تھا۔

○......❖❖......○

کاشفہ کو گھر شفٹ کر دیا گیا تھا اس کے باپ نے اس سے کئی بار اس کی حرکت کی وجہ پوچھی تھی مگر وہ ہر بار خاموش رہی تھی جواباً وہ اس پر چیخ چلا کر خاموش ہو گئے تھے۔

اس نے کل رات ولید کو کال کی تھی اس سے بات ہو رہی تھی پھر کال کٹ گئی تھی اور اس کے بعد ولید نے اس سے کوئی بات نہیں کی تھی وہ اس کی کال پک ہی نہیں کر رہا تھا۔ ایسے میں کاشفہ کو لگ رہا تھا کہ اس کے اندر شدید اضطراب اور جنونیت پیدا ہو رہی ہے اسے لگ رہا تھا کہ اگر ولید نے اس کی کال پک نہ کی تو وہ کچھ کر بیٹھے گی۔

وہ مسلسل نمبر ملا رہی تھی جب ایک بار کی کوشش آخر کار کامیاب ہوئی تھی۔

''ولید......'' ولید کی آواز سن کر وہ ایک دم رونے لگی تھی۔

''آخر کیا مسئلہ ہے کاشفہ تمہیں؟'' وہ بہت غصے سے کہہ رہا تھا۔

''پلیز ڈونٹ اگنور می۔ میں مر جاؤں گی۔'' وہ ایک دم سے فریاد کناں ہوئی تھی۔

''ڈونٹ بی ایموشنل کاشفہ۔'' ولید نے ڈانٹ دیا۔

''میں نے کبھی بھی زندگی میں کسی مرد کے لیے ایسی فیلنگز محسوس نہیں کیں تم میری زندگی میں آنے والے واحد مرد ہو بے شک میری بہت سوں سے دوستیاں رہی ہیں مگر تمہارے بعد کسی سے بھی نہیں میں تم سے سچی محبت کرتی ہوں پلیز تم مجھے ایسے مت دھتکارو۔'' وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''تم جانتی ہو میری زندگی میں ایسی کسی بھی بات کی کوئی گنجائش نہیں۔''

''تم اس لیے کہہ رہے ہو کہ تم اپنی فیانسی سے محبت کرتے ہو۔'' ولید کی بات پر اس نے بہت غصے سے کہا۔

''ہاں آئی لو ہر، اینڈ شی لو می۔ بس یا اور بھی کچھ کہوں۔'' ولید نے بہت غصے سے کہا تھا۔

''تو تم نے مجھے کیوں بچایا مرنے دیتے مر رہی تھی نا میں۔''

''میں تم لوگوں کی طرح بے حس نہیں ہوں، لیکن تم سے سلام دعا میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی ہے۔ میں بہت زیادہ برداشت کر چکا ہوں اب نہیں کروں گا بھلے اب تم جو مرضی کرو۔'' کاشفہ کے چیخ چیخ کر کہنے پر ولید نے بھی کافی رکھائی سے کہا تھا۔

''وہ بلیڈی بچ، تم مجھے اس کے لیے انکار کر رہے ہو اس ایک عام شکل و صورت والی لڑکی کے لیے، کیا ہے وہ میں چاہوں تو تباہ و برباد کر کے رکھ دوں اسے۔'' وہ انا کو گالیوں اور کوسنوں سے نوازنے لگی۔

''شٹ اپ، اب بہت ہو گیا، بہت برداشت کر لیا میں نے میں سب کچھ برداشت کر سکتا ہوں لیکن انا کے لیے ایک لفظ بھی نہیں۔'' بہت غصے سے کہہ کر کال بند کر دی گئی تھی۔

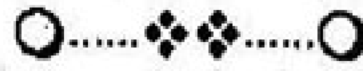
''ولید...... ولید......!'' وہ پکارتی رہ گئی اس نے بہت غصے سے موبائل دیوار پر دے مارا تھا کمرے کی ہر چیز اٹھا اٹھا کر توڑنے لگی۔ شور کی آواز سن کر ڈیڈ، مام اور عادلہ تینوں آ گئے تھے۔ اسے جنونی انداز میں سب کچھ توڑتے دیکھ کر عبدالقیوم نے فوراً اسے تھاما تھا۔

''کاشفہ ہوش کرو، کیا کر رہی ہو تم؟'' انہوں نے سختی سے اسے اپنے شکنجے میں لیا تھا۔

''میں اس کو زندہ نہیں چھوڑوں گی وہ مجھ سے میرا ولید چھین رہی ہے میں مار ڈالوں گی اسے وہ کہتا ہے وہ اس سے محبت

کرتا ہے وہ مجھے اس لڑکی کے لیے ریجیکٹ کررہا ہے میں ختم کردوں گی اسے بھی اور خود کو بھی۔" وہ جنونی انداز میں چیخ و پکار کررہی تھی۔ مزاحمت کررہی تھی۔ ماما اور عادلہ نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ پوچھتے وہ بے ہوش ہوکر عبدالقیوم کے بازوؤں میں جھول گئی تھی۔



سارا دن تو جیسے تیسے گزر چکا تھا۔ مصطفیٰ کا رویہ وہی تھا اور وہ کمرے میں بند رہی تھی۔ شام ہوئی اور پھر رات، وہ کھانا کھانے باہر نکلی تھی کچھ وقت سب کے ساتھ گزارا۔ مصطفیٰ اپنے کمرے میں جاچکا تھا۔ وہ صبا اور عائشہ کے ہمراہ لاؤنج میں ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ رات کے دس بج رہے تھے ماں جی کا وہاں سے گزر ہوا تو ان کو وہاں دیکھ کر رک گئیں ان کے ہاتھ میں چھوٹا سا بیگ تھا۔

"رات ادھر ہی گزارنی ہے سونا نہیں کیا۔" انہوں نے ٹوکا تھا لائبہ بھابی اپنے کمرے میں جاچکی تھی دونوں پھپھو بھی اور باقی لوگ بھی جبکہ اسے ان دونوں کے پاس دیکھ کر انہیں اچھا نہیں لگا تھا۔

"جانے لگے تھے ماں جی۔" صبا فوراً کھڑی ہوگئی۔

"جاؤ شہوار مصطفیٰ انتظار کررہا ہوگا۔" انہوں نے سنجیدگی سے اسے یونہی بیٹھے دیکھ کر ٹوکا تو وہ ایک دم سرخ پڑگئی تھی۔ انہوں نے بڑے واضح الفاظ میں اسے جتایا تھا صبا اور عائشہ نے مسکرا کر اسے دیکھا تھا وہ نظر چرا گئی تھی رخسار دہکنے لگے تھے۔

"جی۔" وہ خاموشی سے اٹھ گئی تھی۔ وہ لاؤنج سے نکلی تو ماں جی بھی پیچھے چلی آئیں۔

"چلو میں چھوڑ آتی ہوں۔" انہوں نے کہا تو شہوار کو اپنے قدم من من بھر کے لگنے لگے تھے۔

"شادی کے بعد یہ حادثہ ہوگیا، کوئی رسم کوئی نیگ کچھ بھی نہ کرسکے۔ مگر اس کا یہ مطلب تھوڑی ہے کہ تم مصطفیٰ سے دور رہو، میں دیکھ رہی ہوں تم دونوں میں بڑا کھنچاؤ ہے بیٹا جو بھی بات ہے اس کو بھول کر بس یہ یاد رکھو کہ تم اب ہمارے خاندان کا حصہ ہو، ہماری عزت ہو۔" انہوں نے ساتھ چلتے چلتے کہا تھا۔ شہوار خاموش ہی رہی تھی۔

وہ دونوں کمرے میں داخل ہوئیں تو دیکھ کر چونک گئیں مصطفیٰ اپنے بازو اور کندھے کے زخموں کو صاف کررہا تھا۔

"یہ کیا کررہے ہو؟" شہوار تو وہیں رک گئی تھی ماں جی فوراً مصطفیٰ کی طرف بڑھی تھیں۔

"کچھ نہیں ویسے ہی زخم دیکھ رہا تھا ڈاکٹر نے مرہم دیا تھا وہ لگانا تھا۔" شہوار کو مکمل طور پر نظر انداز کرتے مصطفیٰ نے کہا۔

"تو ڈاکٹر کو بلا لیتے خود کیوں کررہے ہو۔" انہوں نے تشویش زدہ نگاہوں سے بیٹے کو دیکھا جو ڈیٹول سے اپنے کندھے کا زخم صاف کررہا تھا۔ بازو کا زخم اچھا خاصا خشک ہوچکا تھا۔

"اب رات کے اس وقت ڈاکٹر کو کیوں زحمت دیتا۔ چھوٹا سا کام تھا صرف مرہم ہی تو لگانا تھا۔ ماں جی۔" اس کا انداز سنجیدہ تھا۔ ماں جی نے سر گھما کر خاموش کھڑی شہوار کو دیکھا۔

"شہوار بھی تو ڈاکٹری پڑھ رہی ہے وہ لگا دیتی۔" انہوں نے کہا تو مصطفیٰ کا ہاتھ ایک لمحے کو رکا تھا۔ ایک سرد نگاہ کچھ فاصلے پر کھڑی شہوار پر ڈالی تھی۔

"میں کرلوں گا۔" سنجیدگی سے کہا۔

"شہوار تم خود دیکھو ذرا احتیاط سے میرا تو دل لرز رہا ہے زخم دیکھ کر ہی۔" ماں جی واقعی پریشان ہورہی تھیں۔ شہوار تو خود ان کی بات پر گھبرا گئی تھی۔

"آؤ نا، دیکھو ذرا۔" ماں جی نے پھر کہا تو وہ آہستگی سے چلتی ہوئی قریب آرکی تھی۔

"چھوڑو، شہوار میڈیسن لگا دیتی ہے۔" ماں جی نے مصطفیٰ کے ہاتھ سے روئی اور ڈیٹول کی شیشی لے لی تھی۔ مصطفیٰ نے ایک گرم نگاہ شہوار پر ڈالی تھی ماں جی کی بدولت وہ خاموش ہوگیا۔

شہوار نے مصطفیٰ کو دیکھا بغیر شرٹ کے اس کا سڈول جسم نمایاں تھا۔ اس نے آہستگی سے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا تو اپنے وجود میں ہی سرسراہٹ سی پیدا ہونے لگی تھی۔

اگر مہر النساء پاس کھڑی نہ ہوتیں تو شاید وہ کبھی بھی ہاتھ نہ لگا پاتی اس نے لرزتے ہاتھوں سے مصطفیٰ کے زخم کو چیک کیا تھا بازو کے زخم خشک ہو چکے تھے گولی جلد میں ہی لگی تھی سو مسئلہ نہیں ہوا تھا جبکہ کندھے پر لگنے والے گولی ہڈی کو لگی تھی ڈاکٹر نے آپریٹ کیا تھا اب چند دن تو لگنے ہی تھے زخم مندمل ہونے میں۔

شہوار نے احتیاط اور دھیان سے کندھے کے زخم کے سوراخ میں روئی کی مدد سے میڈیسن فل کی تھی اور پھر اس کے اوپر بینڈیج کر دی تھی جبکہ بازو کے زخموں پر ویسے ہی مرہم لگا کر پٹی باندھ دی تھی۔ اس سارے عمل کے دوران اس کے ہاتھ مسلسل کانپتے رہے تھے۔

وہ اسپتال میں یہ کام آسانی سے کر لیتی تھی مگر آج پہلی بار وہ یوں کنفیوژ ہو رہی تھی مصطفیٰ لب بھینچے سر جھکائے بیٹھا رہا تھا۔ ماں جی نہ ہوتیں تو شاید اس کا ردعمل کچھ اور ہی ہوتا۔

"کل وقت پر اپنے بابا کے ساتھ جا کر زخم چیک کرا آنا۔" جیسے ہی مرہم پٹی کا کام نمٹا ماں جی نے بیٹے کو کہا۔

"دیکھوں گا۔" مصطفیٰ بھی جیسے مارے باندھے بیٹھا ہوا تھا شہوار کے ہاتھ رکتے ہی وہ اٹھ کر بستر کی طرف بڑھا اور وہاں پڑی شرٹ اٹھا کر پہن لی۔

"ویسے بھی میں نے بہت دن آرام کر لیا ہے کل سے میرا ارادہ آفس جوائن کرنے کا ہے۔" شرٹ پہنتے اس نے ماں جی کو اطلاع دی تھی۔

"لیکن تم تو کہہ رہے تھے کہ تم نے دس پندرہ چھٹیاں لی ہوئی ہیں۔" ماں جی نے حیرت سے کہا۔

"میں نے آفیسرز سے بات کر کے کینسل کرا دی ہیں۔" شرٹ پہننے کے بعد اس نے کہا۔

شہوار نے خاموشی سے میڈیسن مرہم اور فرسٹ ایڈ کا سامان اکٹھا کر کے ڈریسنگ پر ایک جگہ رکھ دیا اور خود واش روم میں ہاتھ دھونے چلی گئی تھی۔

"ابھی تو تمہارے زخم بھی کچے ہیں ایسے کیسے آفس جوائن کر لیا تم نے تمہارے بابا سے بات کرتی ہوں میں، ابھی شادی کو چند دن ہوئے ہیں اور تم آفس جانا شروع کر رہے ہو۔" مہر النساء کو اس کی بات پسند نہیں آئی تھی۔ سو ناراضگی سے بولیں۔

"ماں جی میں فیڈ اپ ہو چکا ہوں اس بیڈ ریسٹ سے پلیز کوئی بحث نہیں ہوگی اب وہاں بہت سارا کام میرا منتظر ہے، ویسے بھی اب پہلی فرصت میں مجھے یہ پتا کرانا ہے کہ آخر کس نے اتنی جرأت کر لی مجھ پر رات کے اندھیرے میں گولیاں چلانے کی۔" اس کے لہجے میں تلخی تھی ماں جی نے ایک گہرا سانس بھرا۔

شہوار ہاتھ دھو کر باہر آئی تو مصطفیٰ ہاتھ دھونے واش روم میں گھس گیا۔

"بیٹھو ادھر، تم سے بات کرنی ہے۔" ماں جی نے کہا تو وہ ان کو دیکھتی بیڈ کے کنارے ٹک گئی۔

"دیکھو بیٹا! شادی کے بعد اس حادثے کی وجہ سے جو بھی حالات ہوئے مگر یہ سچ ہے کہ ہم بہت ارمانوں سے بیاہ کر تمہیں لائے تھے اگر یہ حادثہ نہ ہوتا تو سبھی دیکھتے ہم کیسے تمہارا سواگت کرتے مگر اب جو بھی ہے اللہ کی رضا سمجھ کر قبول کر لیا ہے۔ ویسے بھی اللہ نے مصطفیٰ کو زندگی دی ہے اللہ صحت سے نوازے باقی ارمان تو ساری عمر پورے ہوتے ہی

رہیں گے۔" ماں جی بھی اس کے ساتھ بیٹھ گئی تھیں۔
مصطفیٰ بھی ہاتھ دھو کر باہر آ گیا تھا چہرے کے عضلات میں واضح کھنچاؤ تھا۔
ماں جی نے ہاتھ میں پکڑے بیگ سے دو کنگن نکال کر اس کے دونوں ہاتھوں میں پہنائے تھے۔
"بہت سارے ارمان ہیں ان شاء اللہ سارے پورے کریں گے۔ یہ تمہارا میری طرف سے رونمائی کا تحفہ، بس چند دن گزر جائیں پھر مصطفیٰ بھی مکمل طور پر صحت یاب ہو جائے گا تو ولیمے کی تقریب بھی کرلیں گے۔" اس کے بازوؤں میں کنگن پہنائے انہوں نے محبت سے کہا۔
"ماشاء اللہ تم دونوں کی جوڑی سلامت رکھے اور ڈھیروں خوشیاں دیکھنا نصیب کرے، آمین۔" انہوں نے اس کی پیشانی پر بوسہ لیا اور پھر اٹھ کر خاموش کھڑے مصطفیٰ کے پاس جا رکی تھیں۔
"ہم نے تابندہ سے وعدہ کیا تھا کہ شہوار کو کبھی کوئی کمی محسوس نہ ہونے دیں گے۔ حقیقی بیٹیوں سے بڑھ کر چاہیں گے۔ آج سے شہوار تمہاری ذمہ داری ہے اس کا بہت خیال رکھنا بیٹا۔" مہرالنساء نے مصطفیٰ کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں لے کر اس کی پیشانی چومتے ہوئے کہا۔ مصطفیٰ خاموش رہا تھا کوئی ری ایکشن نہیں دیا تھا۔ انہوں نے بغور دونوں کو دیکھا اور پھر آرام کرنے کا کہہ کر وہاں سے چلی گئی تھیں۔
ان کے جانے کے بعد مصطفیٰ نے آگے بڑھ کر دروازہ بند کیا اور واپس پلٹتے اس نے شہوار کو دیکھا وہ سر جھکائے اپنے ہاتھوں میں موجود کنگنوں کو دیکھ رہی تھی۔ تبھی اس کا موبائل بجنے لگا تھا مصطفیٰ نے آگے بڑھ کر اٹھا لیا تھا۔
"ہاں امجد خان کیا خبر ہے؟" وہ کہہ کر کچھ پل دوسری طرف کی بات سننے لگا تھا۔ شہوار نے مصطفیٰ کو دیکھا وہ بستر کے دوسرے کنارے پر بیٹھ گیا تھا۔
"تو۔" اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔
"اگر یہ اطلاع کنفرم ہے تو وہ کہاں غائب ہے پھر امجد کچھ بھی کرو مجھے وہ شخص ہر حال میں چاہیے مجھ پر حملہ کرنا اتنا آسان نہ تھا اس نے ساری پلاننگ کے بعد حملہ کیا تھا۔" مصطفیٰ کے لہجے میں تلخی تھی۔
"وہ جانتا تھا کہ ہم اس رستے سے گزرنے والے ہیں اور وہ اکیلا نہ تھا پتا کراؤ اس کا اس کے ساتھ اور کون کون شامل تھا۔" مصطفیٰ نے ایک دم افسرانہ تحکم سے کہا۔ شہوار نے فوراً اندازہ لگایا کہ کس بارے میں بات ہو رہی ہے۔
"ہاں میں صبح آفس جوائن کر رہا ہوں، چھوڑو امجد اتنے دن آرام ہی تو کر رہا تھا تم جانتے ہو مجھے یہ چھوٹے موٹے زخم کچھ نہیں کہتے۔" مصطفیٰ کا انداز بے پروا تھا۔
"بابا سے میں بات کرلوں گا۔ ڈونٹ وری، میں سیکیورٹی میں رہ کر اپنے آپ کو پابند نہیں کرسکتا۔ میں نے آج بابا سے صاف کہہ دیا تھا کہ یہ سیکیورٹی ختم کرائیں میرے دشمن سمجھیں گے کہ میں کوئی ڈرپوک انسان ہوں جو اپنی حفاظت بھی نہیں کرسکتا۔" تلخی سے کہتے اس نے سرسری سی نگاہ شہوار کی طرف ڈالی جو ابھی تک اپنے ہاتھ مسلتے سر جھکائے بیٹھی ہوئی تھی۔
اسے دیکھتے مصطفیٰ کے چہرے کے عضلات کھنچاؤ کا شکار ہو گئے تھے۔
"او کے ٹھیک ہے صبح تفصیلی بات ہوگی، اس کے دوستوں پر کڑی نگاہ رکھو خصوصاً اس شہزاد پر اگر اس کی سرگرمیاں مشکوک ہو رہی ہیں تو کوئی وجہ تو ہوگی نا۔" مصطفیٰ نے کہہ کر کال بند کردی تھی اور پھر شہوار کو دیکھا اس نے بھی کال بند ہونے کے بعد سر اٹھا کر دیکھا مگر مصطفیٰ کو متوجہ پا کر فوراً سر جھکا گئی تھی۔ رخسار ایک دم سرخ ہو گئے تھے مصطفیٰ کے اندر پھر ابال اٹھا تھا۔

"زندگی میں اگر بعض فیصلے اتنے ناگوار لگ رہے ہوں تو انسان کو وقت پر حتمی فیصلہ کر لینا چاہیے۔" مصطفیٰ نے شہوار کو دیکھتے تلخی سے کہا۔ شہوار نے ایک دم چونک کر سر اٹھا کر دیکھا۔

"مجھے نفرت ہے ایسے لوگوں سے جو اپنی نفرت میں اوروں کی زندگیوں سے کھیل جاتے ہیں۔" مصطفیٰ نے سلگتے انداز میں کہا تو شہوار نے حیرانی سے دیکھا۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" وہ تو مصطفیٰ کے تیور دیکھ کر ہی حیران رہ گئی تھی۔

"مطلب تو آپ اچھی طرح سمجھ چکی ہوں گی میں حیران ہوں کوئی انسان اس قدر بے حس بھی ہو سکتا ہے کہ کسی موت کی سرحد پر پہنچے ہوئے شخص کے سامنے دنیاداری کے لیے نیک خیالات کا اظہار کرنا تو دور کی بات بے حسی کی انتہا کر دی جائے۔" مصطفیٰ تو اندر سے بھرا ہوا تھا۔ ایک دم اس کے الفاظ پر پھٹا تھا۔ شہوار ایک دم سٹپٹا سی گئی تھی۔ اس نے کچھ کہنا چاہا لب وا کیے مگر پھر بھینچ لیے۔

"میں نے نجانے کن خوش فہمیوں کے سائے میں چلتے یہاں تک کا سفر طے کیا تھا اور پھر تمہارے رویوں نے میرے دل میں موجود تمام خوش کن جذبات واحساسات کو ان گزرے چند دنوں میں اس طرح نوچ کر باہر پھینک دیا ہے کہ اب میں تمہیں سامنے دیکھتا ہوں تو میرا دل چاہتا ہے کہ میں تمہیں اس گھر سے ہی نہیں اپنی زندگی سے بھی بے دخل کر دوں۔" مصطفیٰ کا لہجہ ایک دم سخت اور غصیلا تھا۔

وہ پچھلے تین چار دنوں سے نجانے خود پر کیسے جبر کر رہا تھا اپنے غصے کو دبا رہا تھا شہوار نے ایک دم ڈر کر اسے دیکھا۔ اتنا غصہ؟ وہ حیرت زدہ تھی۔

"مگر مجھے اپنے والدین کی محبت یہ سب سہنے پر مجبور کر رہی ہے شہوار بیگم ورنہ جس طرح تم نے ان تین چار دنوں میں میری ذات کو بری طرح رد کیا ہے میری جگہ کوئی عام ضبط کا مالک انسان ہوتا تو ایک پل میں فیصلہ کرتا۔" مصطفیٰ کی تلخی آگ کے شعلوں میں لپٹی ہوئی تھی۔

شہوار تو گم صم سی ہو گئی تھی وہ مصطفیٰ کا یہ روپ پہلی بار دیکھ رہی تھی۔ وہ ایک عرصہ سے ناگواری، بدگمانی واحساس کمتری والے رویے لیے ہوئے تھی شادی کے نزدیک آ کر اس نے خود کو سمجھا کر خود کو بدلنا شروع کیا تھا مگر اس حادثے نے تو جیسے جھنجوڑ کر رکھ دیا تھا اب دل کی حالت جو بھی تھی مگر اس کے باوجود وہ اپنے پرانے خول سے باہر نہیں نکل پا رہی تھی چاہ کر بھی نہیں۔

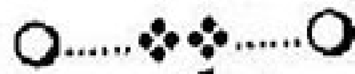
وہ تو بس اسی ادھیڑ بن میں رہی کہ وہ مصطفیٰ کا سامنا کیسے کرے گی؟ کیسے اس کی زخمی حالت کو برداشت کرے گی۔ ایک عرصہ ناگواری کی فضا قائم رکھی تھی اب ایک دم محبت کے رستے پر کیسے چل دیتی اسے سنبھلنے اور سب کچھ قبول کرنے کو کچھ وقت چاہیے تھا اور اب جبکہ وہ سب کچھ قبول کر رہی تھی تو مصطفیٰ کا یہ رویہ۔ اس نے سختی سے لب بھینچ لیے تھے۔

اس کے پاس اپنی صفائی میں کہنے کے لیے بہت کچھ تھا مگر اس وقت مصطفیٰ کے تیوروں کے سامنے وہ ایک دم ساکت ہو گئی تھی۔ مصطفیٰ نے اسے اسی طرح لب دبائے دیکھا تو ایک دم لب بھینچ کر اپنا موبائل اٹھا کر تیزی سے دروازہ کھول کر کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

شہوار نے ازحد بے یقینی سے مصطفیٰ کو باہر جاتے دیکھا تھا۔ وہ ایک دم ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر شدت سے رو دی تھی۔ وہ ہمیشہ غلطی کرتی تھی اور اب جبکہ وہ واپس اپنی غلطیوں کی اصلاح کرتے زندگی کی طرف لوٹ رہی تھی تو مصطفیٰ کے اس رویے نے اسے ساکن کر دیا تھا۔

مصطفیٰ اسے کچھ بھی کہنے کا موقع دیے بغیر اپنے دل کی بھڑاس نکال کر کمرے سے جا چکا تھا اور اندر وہ ہاتھوں میں چہرہ

چھپائے شدت سے سسک اٹھی تھی۔



پتا نہیں رات کیسے گزری تھی وہ تو ساری رات اسی طرح گم صم بستر کے کنارے بیٹھی رہی تھی فجر کی اذان ہونے لگی تو وہ واش روم میں گھس گئی۔

فجر کے قریب مصطفیٰ کمرے میں آیا اور کمرے میں اسے موجود نہ پا کر ایک پل کو چونکا اور پھر واش روم سے پانی گرنے کی آواز سن کر وہ لب بھینچ کر لائٹ آف کرتے بستر پر لیٹ گیا۔ شہوار وضو کر کے کمرے میں لوٹی تو لائٹ آف دیکھ کر چونکی تھی۔ یعنی مصطفیٰ کمرے میں آچکا تھا۔

اس نے آگے بڑھ کر نائٹ بلب روشن کیا تو مصطفیٰ نے آنکھوں پر بازو رکھ لیا تھا۔ شہوار اس کمرے میں ایک دو بار ان پچھلے تین چار دنوں میں نماز ادا کر چکی تھی سو آرام سے ایک طرف دراز میں رکھا جائے نماز نکال کر وہ بچھا کر نماز ادا کرنے کھڑی ہوگئی تھی۔

مصطفیٰ اس طرح لیٹا رہا تھا گویا رات وہ دل کی بھڑاس نکال کر اب خاموشی اختیار کر چکا تھا۔ نماز ادا کر کے وہ کافی دیر تک جائے نماز پر ہی بیٹھی رہی تھی۔ دعا مانگتے اس کی آنکھیں کئی بار بھیگی تھیں۔

مصطفیٰ کی موجودگی کا احساس کرتے وہ خود کو رونے سے بمشکل باز رکھ رہی تھی۔ ورنہ مصطفیٰ کے رات والے رویے نے اسے بے چین کر دیا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ جائے نماز لپیٹ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی جائے نماز اس کی جگہ پر رکھتے اس نے مصطفیٰ کی طرف نگاہ کی۔ وہ چہرے پر دایاں بازو رکھے چت لیٹا ہوا تھا۔ نجانے سو گیا تھا یا جاگ رہا تھا۔ اس نے ایک دو پل اسے دیکھا تھا اور پھر آہستگی سے چلتے نائٹ بلب آف کرتے وہ کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔

اسے یاد آرہا تھا نکاح کے بعد جب اس کا مصطفیٰ سے سامنا ہوا تھا تو مصطفیٰ اس کی تمام باتوں کے جواب میں بہت بری طرح پیش آیا تھا اور پھر وہ کمرے سے واک آؤٹ کر گیا تھا اور اس کے بعد جب بھی سامنا ہوا اس کا رویہ بہت غصیلا تھا۔ پھر وہ شہر واپس آگئی تھی اور پھر آہستہ آہستہ مصطفیٰ کا غصیلا انداز ختم ہو گیا تھا مگر رات مصطفیٰ کا جو رویہ تھا وہ اس رویے سے زیادہ تکلیف دہ تھا جو وہ اس کے ساتھ رکھتی رہی تھی۔ وہ کافی دیر تک وہاں بیٹھی رہی اور پھر اندھیرا مکمل طور پر ختم ہوا تو وہ اٹھ کر اندر کی طرف آگئی تھی۔

راہداری سے گزرتے وہ لاؤنج کی طرف آئی تو وہاں مہرالنساء قرآن پاک کی تلاوت کر رہی تھیں۔

''السلام علیکم!'' اس نے سلام کیا تو انہوں نے مسکرا کر سلام کا جواب دیا تھا وہ آہستگی سے ان کے پاس آکر رکی تھی انہوں نے قرآن پاک بند کرتے اسے دیکھا۔

''مصطفیٰ اٹھ گیا؟'' وہ شاید سمجھ رہی تھیں کہ وہ کمرے سے آئی ہے اس نے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔ انہوں نے ایک دو پل اسے بغور دیکھا۔

''سب ٹھیک ہے نا۔'' انہوں نے تشویش سے پوچھا تھا وہ چونکی تھی انہیں متوجہ دیکھ کر ہلکا سا مسکرائی۔

''جی۔'' انہوں نے سر ہلایا۔

وہ پھر تلاوت کرنے میں لگ گئی تھیں۔ انہوں نے زیادہ کرید نہیں کی تھی۔ کچھ دیر بعد معمول کی آمد و رفت شروع ہو چکی تھی۔ وہ دوبارہ کمرے میں بھی نہیں گئی تھی اسی طرح کسی نہ کسی کے پاس بیٹھی رہی تھی نئی نویلی دلہن تھی کوئی کام تو تھا نہیں۔ اس نے سوچا مصطفیٰ تو گھر آگیا ہے اور کوئی کام بھی نہیں وہ کالج ہی چلی جائے خوامخواہ لایعنی سوچوں سے تو کم از کم

چھٹکارا ملے گا۔

وہ یہی پوچھنے کچن میں چلی آئی تھی مہرالنساء ملازمہ کو ناشتہ تیار کرنے کی ہدایت دے رہی تھیں۔

"میں سوچ رہی ہوں کہ میں آج کالج چلی جاؤں۔" اس نے مہرالنساء سے کہا۔

"ابھی تو شادی کو چند دن ہوئے ہیں بیٹا۔" انہوں نے محبت سے کہا۔

"مگر میں فنکشن سے پہلے بھی کافی چھٹیاں کرچکی ہوں، بہت حرج ہورہا ہے میرا۔" اس نے کہا۔

"مصطفیٰ کل ہی اسپتال سے آیا ہے، ایک دو دن تک مت جاؤ پھر چلی جانا۔" انہوں نے کہا۔

"مگر وہ بھی آج آفس جارہے ہیں رات آپ کو بتا تو چکے تھے کہ چھٹیاں کینسل کروادی ہیں انہوں نے۔" اس نے دھیمے سے کہا۔

"ایسے کیسے کروادی، ابھی زخم ٹھیک نہیں ہوا ہے میں نے منع بھی کیا تھا اسے۔" وہ پریشان ہوگئی تھیں۔ شہوار خاموش رہی تھی۔

"میں اس کے بابا سے بات کرتی ہوں۔ وہ ہی سمجھائیں گے۔"

"میں پھر آج سے کالج چلی جاؤں نا۔" اس نے پھر کہا تھا انہوں نے بغور دیکھا کچھ کہنا چاہا اور پھر خاموش ہوگئیں۔

"میں مصطفیٰ سے بات کرلوں پھر بتاتی ہوں۔" کچھ توقف کے بعد انہوں نے کہا۔

"ویسے مصطفیٰ سے پوچھا وہ کیا کہہ رہا ہے۔"

"نہیں ابھی ان سے بات نہیں کی سوچا پہلے آپ سے اجازت لے لوں۔"

"جیتی رہو۔" وہ ایک دم اس کی فرمانبرداری پر نہال ہوگئی تھیں۔ ساتھ لگا کر پیشانی چوم لی۔

"چلو ٹھیک ہے کالج چلی جانا مگر مصطفیٰ سے بھی پوچھ لینا۔" انہوں نے مشروط اجازت دے دی تھی۔

وہ اپنے روم میں آگئی تھی۔

اس نے تمام چیزیں تلاش کرکے ایک جگہ اکٹھی کی اور لباس نکال کر رکھا۔ اس نے سوچا کہ وہ ذرا ٹھہر کر کالج جائے گی۔

رات والے مصطفیٰ کے رویے کے بعد وہ مصطفیٰ کا سامنا کرنے سے خوف زدہ تھی مگر اس نے سوچا کہ ایک بار اس کو بتانا تو ضرور چاہیے نا۔ وہ کمرے میں آئی تو ماں جی اور شاہزیب صاحب پہلے سے ہی وہاں موجود تھے مصطفیٰ شاید آفس جانے کے لیے تیار ہورہا تھا کوئی بحث چل رہی تھی۔

"بابا جان کچھ نہیں ہوتا، پھر امجد خان بھی ساتھ ہوگا، گھر رہ کر بھی میں کیا کرتا۔" اسے دیکھ کر مصطفیٰ نے جھنجلا کر کہا۔ شہوار اندر آگئی تھی۔

"بھلے کچھ نہ کرے تمہاری دونوں پھوپیاں ابھی موجود ہیں بہنیں ادھر ہیں سب کے ساتھ وقت گزارتے سب سے بڑھ کر شہوار کے ساتھ۔" شاہزیب صاحب نے صاف بات کی تھی، مصطفیٰ کے چہرے کے تاثرات بدلے تھے۔

"مگر میں چھٹیاں کینسل کراچکا ہوں۔" اس نے ضبط کرتے کہا۔

"یہ اتنا بڑا ایشو نہیں ہے میں آفیسرز وغیرہ سے بات کرلیتا ہوں ویسے بھی تمہاری صحت سے بڑھ کر تو کچھ بھی اہم نہیں ہے۔" شاہزیب کا انداز دوٹوک تھا۔

"چلیں وعدہ جلدی گھر لوٹ آؤں گا مگر آفیسرز سے بات مت کریں۔" شاہزیب صاحب کے حتمی انداز پر وہ کچھ دھیما پڑا تھا۔

"دیکھو، مصطفیٰ میں اب کوئی رسک نہیں لینا چاہتا مجھے تمہارے اس رویے سے بہت خوف آتا ہے۔ ہر کام بہت غصے سے کرنے والا نہیں ہوتا۔ میں جانتا ہوں تم ایاز کو تلاش کرا رہے ہو، امجد مجھے پل پل کی رپورٹ دے رہا ہے مگر جلد بازی میں، میں نہیں چاہتا کہ تمہیں پھر سے کوئی نقصان پہنچے۔" شاہزیب صاحب کا انداز مصالحت پر مبنی تھا۔ مصطفیٰ نے سنجیدگی سے انہیں دیکھا۔

"کچھ نہیں ہوگا۔ وہ ہماری لاعلمی سے ناجائز فائدہ اٹھا گیا ہے مگر ہر بار اس کا وار کامیاب ہو ضروری بھی نہیں۔" اس کے لہجے میں تنفر تھا غصے کی لپٹیں تھیں جیسے بمشکل خود پر قابو پا رہا ہوں۔"

"مگر اپنے دشمن کو کبھی بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔" شاہزیب صاحب نے کہا۔

"باقی بحث بعد میں اٹھا رکھیے گا۔ میں جلدی گھر آجاؤں گا۔" مصطفیٰ کا انداز حتمی تھا۔ وہ بستر پر پڑا اپنا لباس لے کر واش روم میں گھس گیا۔

شاہزیب صاحب نے اسے اور پھر مہر النساء کو دیکھا جن کے چہرے پر تشویش تھی۔

"پریشان نہ ہو، مصطفیٰ کوئی بچہ نہیں، میں سیکیورٹی کا خاص خیال رکھوں گا بس ہماری لاعلمی میں یہ حادثہ ہو گیا مگر اب ایسا نہیں ہوگا آپ بھی جانے دیں وہ جو ٹھان چکا ہے کر کے ہی رہے گا۔" انہوں نے تسلی دی تھی مہر النساء بیگم نے سر ہلا دیا۔

"شہوار بھی کالج جانا چاہ رہی ہے جانے دوں یار ہنے دوں۔" انہوں نے شہوار کو دیکھتے پوچھا۔

"ظاہر ہے کالج تو جانا ہے نا۔"

"مگر مجھے تو اس ایاز سے ڈر لگا رہتا ہے۔ دونوں گھر سے باہر چلے گئے تو سارا دن میرا دل ہی ہولتا رہے گا۔ جس طرح اچانک اس نے یہ سب کیا ہے نجانے اب کیا کر دے ہے بھی روپوش کوئی سراغ بھی تو نہیں مل پا رہا، بد بخت کا۔"

"ہم اپنی نگرانی میں شہوار کو پک اینڈ ڈراپ کروالیں گے جب تک مصطفیٰ مکمل طور پر صحت یاب نہیں ہو جاتا، پھر وہ خود تو ہوگا ہی خود ہی خیال رکھ لے گا۔" شاہزیب صاحب نے کہا۔ مصطفیٰ بھی لباس بدل کر واپس کمرے میں آ گیا تھا۔ اس نے شوز پہنے، پھر بال سنوارنے لگا سبھی نے خاموشی سے دیکھا۔

"امجد کو میں کال کر دیتا ہوں وہ خود ہی تمہیں پک کر لے گا۔ ابھی تم ڈرائیو کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہو اور نہ ہی میں رسک لے سکتا ہوں۔" شاہزیب صاحب نے کہا تو مصطفیٰ نے سر ہلا دیا۔

"اور ہاں شہوار بھی آج سے کالج جا رہی ہے۔" بالوں میں برش چلتا مصطفیٰ کا ہاتھ ایک پل کو ٹھٹکا تھا۔

"اسے میں خود ڈراپ کر دوں گا اور جب تک تمہارا بازو ٹھیک نہیں ہو جاتا یہ پک اینڈ ڈراپ میری ذمہ داری ہوگی بعد میں تم خود دیکھ لیا کرنا۔" انہوں نے مزید کہا تو مصطفیٰ نے بغیر کچھ کہے برش ڈریسنگ پر زور سے رکھا۔ شہوار نے چونک کر دیکھا ایک پل کو نگاہ ملی تھی۔ برہمی، غصہ اور جھنجلاہٹ سبھی کچھ تو تھا۔ مصطفیٰ نے غصے سے نگاہ پھیر لی تھی۔

"میں ریڈی ہوں آپ امجد کو کال کر دیں مجھے آدھ گھنٹے میں پک کر لے۔" سنجیدگی سے باپ کو کہا۔

"ناشتہ کرو گے نا؟" ماں جی نے محبت سے پوچھا تو مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لیتے ہاں میں سر ہلایا۔ وہ شہوار کو مکمل طور پر نظر انداز کر رہا تھا۔ گویا جیسے وہ وہاں موجود ہی نہ ہو۔

"چلو آؤ، ناشتہ تیار ہے تم کرلو۔" انہوں نے کہا تو مصطفیٰ ایک طرف بستر پر پڑا اپنا موبائل، والٹ، لیپ ٹاپ اور کچھ فائلز اٹھا کر باہر نکل گیا تھا۔

"تم بھی آجاؤ......مل کر ناشتہ کرلو۔" مصطفیٰ کے ساتھ جاتے جاتے پلٹ کر انہوں نے کہا تو وہ محض سر ہلا گئی تھی۔

وہ آج ذرا لیٹ اٹھی تھی۔ ناشتے کے لیے روم سے باہر آئی تو ماما کے سوا سبھی جاچکے تھے وہ سارا دن گھر رہ کر بوریت کا شکار ہونے کا سوچتے تیار ہونے چلی گئی تھی۔ اتنی دیر میں ڈرائیور بابا اور احسن بھائی کو چھوڑ کر واپس آچکا تھا۔ ماما کا بوتیک بارہ بجے کے قریب کھلتا تھا۔ سو وہ ڈرائیور کو لے کر کالج چلی آئی تھی۔

آج کل اس کا ایک بار پھر سے ولید سے موڈ تبدیل ہوچکا تھا۔ وہ ولید سے بات نہیں کررہی تھی اور ہمیشہ کی طرح بار بار پوچھنے کی بجائے ولید بھی اس بار خاموش تھا۔ اس بار اس کے اندر یہ تبدیلی ضرور رونما ہوئی تھی کہ اس کے موڈ کی خرابی صرف ولید کی ذات تک محدود رہی تھی۔ باقی لوگوں کے ساتھ وہ اپنا موڈ درست رکھے ہوئے تھی۔

وہ کالج آئی تو شہوار کو دیکھ کر ٹھٹک گئی وہ ساری کلاس فیلوز میں گھری ہوئی تھی۔ وہ ایک دم بے قرار ہوکر اس کی طرف بڑھی تھی شہوار بھی گویا اس کی منتظر تھی یوں ملی جیسے برسوں کی بچھڑی ہوئی ہوں۔

"کیسی ہو؟" اس نے شہوار سے پوچھا۔

ہاتھ پاؤں کی مہندی کے مدہم سے نقوش اور خوب صورت لباس وہ بہت دل کش لگ رہی تھی۔

"ٹھیک ہوں چلو آؤ کہیں سکون سے بیٹھتے ہیں۔" وہ کافی دیر سے کلاس فیلوز میں پھنسی ہوئی تھی۔ ہر کوئی اس کی غیر موجودگی کی وجہ جان کر حیران ہورہا تھا وہ کب سے ان کے سوالوں کے جوابات میں الجھی ہوئی تھی۔ وہ باقی لڑکیوں سے معذرت کرکے انا کو لیے ایک علیحدہ گوشے میں آبیٹھی تھی۔

"کہاں تھیں تم میں کب سے ویٹ کررہی تھی؟" اس نے انا کو پوچھا۔

"میرا آج موڈ نہیں بن رہا تھا پھر اچانک بنا تو چلی آئی یہ تو اب جان پائی ہوں کہ تمہارے وجود کی کشش یہاں تک کھینچ لائی تھی۔" محبت سے شہوار کو دیکھتے اس نے کہا شہوار اس کی بات پر کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔

"مصطفیٰ بھائی کا سنا تھا وہ گھر شفٹ ہوگئے ہیں تم سناؤ کیسے ہیں وہ اب؟" اس نے اشتیاق سے پوچھا تو اس کی بات پر نسبتاً اس کا چہرہ ایک دم ماند پڑا تھا۔

"ٹھیک ہیں وہ۔" اس نے بمشکل مسکرانے کی کوشش کی تھی۔

"اتنی جلدی انہوں نے تمہیں کالج آنے کی اجازت دے دی کیا؟" انا نے مسکرا کر پوچھا۔

"وہ خود بھی آج آفس چلے گئے تھے میں گھر رہ کر کیا کرتی ویسے بھی بور ہورہی تھی۔"

"ہائے اتنی جلدی، ابھی تو میرا خیال ہے ان کے زخم بھی ٹھیک سے مندمل نہیں ہوئے ہوں گے۔" انا کو مصطفیٰ کے آفس جانے کا سن کر حیرت ہوئی تھی۔

شہوار خاموش رہی تھی۔ وہ اپنی ہر بات انا سے ڈسکس کرتی رہی تھی مگر اب اس مقام پر آکر مصطفیٰ کا رویہ اس سے ڈسکس نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"تم سناؤ اسٹڈی کیسی جارہی ہے۔"

"تمہارے بغیر بہت بوریت ہورہی تھی بس یہ لیکچر اور وارڈ کی ڈیوٹی اسی طرح کی روٹین تھی۔ پھر پیشنٹ ہسٹری پر کام بس بہت ڈل ہورہی ہوں میں آج کل تم آگئی ہو تو پھر روٹین اسٹارٹ ہوجائے گی۔"

"ہاں اب روزانہ آیا کروں گی ہوسکتا ہے ایک دو بار امی سے ملنے گاؤں جاؤں اس کے علاوہ اور کوئی غیر ضروری چھٹی نہیں کروں گی اب ویسے بھی اس ایئر میں آکر میں بہت چھٹیاں کرچکی ہوں انکل نے اٹینڈنس کی طرف بے فکر ہونے کو

کہا تھا کچھ چیئرمین صاحب بھی جاننے والے ہیں تو مسئلہ نہیں ہوگا مگر ان چھٹیوں کے دوران جو حرج ہوا ہے سیکھنے کا جو کام تھا وہ اب مشکل ہی کور ہوگا۔"

"ہو جائے گا کور، سب گروپ ممبرز مل کر کرلیں گے تم ٹینشن نہ لو۔"

"مگر جو چیز پریکٹس سے سیکھی جاسکتی ہے وہ ڈسکشن سے تو حاصل نہیں ہوسکتی نا۔"

"اور کچھ پتا چلا کہ کس نے حملہ کیا تھا؟" انا نے ٹاپک بدل دیا تھا۔

"ایاز کے سوا کون ہوسکتا ہے بھلا؟" شہوار نے تلخی سے کہا۔

"سبھی کو یقین ہے کہ یہ کام کرنے والا صرف اور صرف ایاز ہی ہے اور اس کے خلاف ہی تمام شواہد اکٹھے ہو رہے ہیں مگر وہ کہیں غائب ہے ہاتھ نہیں لگ رہا۔"

"مجھے یقین ہے اگر اب کی بار مصطفیٰ بھائی کے ہاتھ لگ گیا تو بچ نہیں پائے گا۔" انا نے کہا۔ اس نے سر ہلا دیا اور کر بھی کیا سکتی تھی۔

"تم لوگوں نے لیکچر اٹینڈ نہیں کرنا؟" ان لوگوں کے گروپ کی ہما ادھر ہی آ گئی تھی۔

"ہاں بس جانے ہی والے تھے۔" انا نے کہا۔

پہلا لیکچر بنک ہوگیا تھا سو اب دوسرا شروع ہو رہا تھا دونوں ہی اکٹھی کھڑی ہوئی تھیں۔

○.....❖❖.....○

مصطفیٰ اپنے آفس میں بیٹھا ہوا تھا امجد اس کے سامنے موجود تھا اور تمام معلومات ڈسکس کر رہا تھا۔

"ایاز اور اس کے تمام ساتھیوں پر کڑی نگاہ رکھی ہوئی ہے۔ بس صرف شہزاد ہی ہے۔ جس کے متعلق آج کل مشکوک رپورٹ ملی تھی۔ اس کے چوکیدار اور ڈرائیور وغیرہ سے بھی معلومات لی گئی ہیں مجھے لگتا ہے شہزاد جانتا ہے کہ ایاز کہاں ہوگا۔"

"تو شہزاد کو خاموشی سے اٹھوالو اور باز پرس کرلیتے ہیں۔" مصطفیٰ کا دوٹوک انداز تھا۔

"پہلے میرا بھی یہی ارادہ تھا مگر آج مجھے اطلاع ملی ہے کہ وہ آج صبح کی فلائٹ سے دبئی روانہ ہوچکا ہے صبح پانچ بجے کی فلائٹ تھی۔"

"اوہ......" مصطفیٰ ایک دم خاموش ہوگیا تھا۔

"آپ نے لالا رخ کے کیس کی فائل مانگی تھی سب ڈیٹیلز اس میں موجود ہیں آپ چیک کر لیجیے گا۔" امجد نے فائل مصطفیٰ کے سامنے رکھ دی تھی۔

مصطفیٰ نے فائل کھول لی تھی۔ سب پیپرز پر نظر دوڑائی تھی اور پھر امجد خان کو دیکھا تھا۔

"اوکے میں اس کو فارغ وقت میں دیکھوں گا۔ ابھی تو ان چند دنوں میں ہونے والی تمام کارروائیوں کی ڈیٹیلز دو اور جو لوگ ملنا چاہتے ہیں ان کو بھیج دو۔" مصطفیٰ نے فائل دراز میں رکھ دی۔

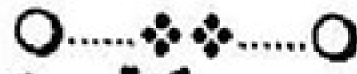
وہ آج کتنے دن بعد آفس آیا تھا اس سے ملنے والوں اور باقی لوگوں کی کافی تعداد بھی جو صبح سے کال کر رہی تھی۔ کچھ کے کیسز تھے کچھ کے مسائل۔ وہ صبح سے بزی تھا۔

"وہ تو سب ہو ہی جائے گا مگر شاہزیب صاحب نے سختی سے کہا تھا کہ آپ کو زیادہ کام نہیں کرنے دیا جائے آپ ملاقات وغیرہ رہنے دیں میں دیکھ لوں گا آپ نے چیک اپ کے لیے بھی جانا تھا شاہزیب صاحب کا فون آیا تھا وہ کہہ رہے تھے کہ آپ کو گارڈز کے ہمراہ اسپتال بھیجوں وہ بھی وہاں پہنچ رہے ہیں۔" امجد کو اس کی حقیقی طور پر فکر تھی مصطفیٰ نے

ثانیہ چوہدری

السلام علیکم! آنچل اسٹاف اور قارئین اکرام آپ سب کو میرا چاہتوں بھرا سلام قبول ہو۔ میرا تعلق ضلع گجرات تحصیل کھاریاں کے قریبی گاؤں برنالی سے ہے۔ میری تاریخ پیدائش 14 جولائی ہے اسٹار کینسر ہے میں اسٹارز پر یقین رکھتی ہوں۔ پسندیدہ لباس لانگ قمیص اور ٹراؤزر ہے پسندیدہ رنگ پنک اینڈ وائٹ ہے۔ میں فرسٹ ائیر کی طالبہ ہوں آرمی جوائن کرنا میرا خواب ہے دعا کریں میرا خواب پورا ہو۔ مجھے دوستیں بنانے کا شوق ہے میری قریبی دوست انجم ہے۔ آنچل شوق سے پڑھتی ہوں اگر مجھ سے کوئی دوستی کرنا چاہتا ہے تو ویلکم۔ تمام رائٹرز اسٹاف کی تعریف کرنے کو میرے پاس الفاظ نہیں پڑھنے والے کو یہ پیغام دیتی ہوں ہر مشکل حالات کا مقابلہ بہادری اور ہمت سے کریں ان شاء اللہ کامیابی قدم چومے گی اجازت دیجیے اللہ حافظ۔

اسے سنجیدگی سے دیکھا اور پھر سر ہلا دیا۔



ساجدہ گھر کی صفائی کے بعد مشین لگا کر کپڑے دھونے لگی تھی۔ وہ کچھ دیر خالہ بی کے پاس بیٹھی رہی اور پھر خالہ بی سے اوپر والے حصے کی چابیاں لیے سیڑھیاں چڑھتے اوپر آگئی تھی۔ وہ جب سے واپس آئی تھیں آج پہلی بار ان بند دروازوں کو کھول رہی تھیں۔

دو کمرے تھے انہوں نے لاک کھول کر دروازے کھولے تو بند کمروں کے اندر سے حبس اور سیلن کی بو سے فوراً باہر کی راہ لی تھی۔ شاید کافی دن سے ان کمروں کو کھولا نہیں گیا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ ایک کمرے کے اندر چلی آئی تھیں۔ لائٹ جلائی تو اندازہ ہوا کہ لائٹ موجود نہ تھی۔ انہوں نے ویسے ہی کمرے میں بغور دیکھا۔

پلنگ، کرسیوں، میز ہر چیز پر گرد کی تہہ جمی ہوئی تھی کمرے میں جگہ جگہ جالے لگے ہوئے تھے انہوں نے چند پل کھڑے ہو کر بڑے کرب سے ہر چیز کو دیکھا تھا۔

"یہ چھوٹا سا گھر میرے لیے کسی جنت سے کم نہیں، یہاں میں ہوں سکندر اور ہمارے بچے ہیں ایک عورت کو اور کیا چاہیے، دنیا کی ہر خوشی تو میرے پاس موجود ہے۔" ایک خوشی سے جگمگ کرتی کھلکھلاتی آواز ماضی کے پردوں سے نکل کر کانوں سے ٹکرائی تو تابندہ بی کی آنکھوں کی زمین گیلی ہونے لگی تھی۔ انہوں نے وہاں سے نکل کر دوسرے کمرے کو دیکھا اس کی بھی یہی حالت تھی۔ وہ کمرے سے نکل آئی تھیں۔

"ساجدہ۔" ریلنگ سے جھک کر انہوں نے صحن میں لگے نل پر کپڑے دھوتی ساجدہ کو پکارا۔

"جی۔"

"دونوں کمروں میں بلب وغیرہ کچھ بھی نہیں۔" انہوں نے ریلنگ پر جھکے جھکے ہی پوچھا۔

"مجھے نہیں پتا، اصل میں ان دونوں کمروں کی چابیاں صرف اماں کے پاس ہی ہوتی ہیں وہی اندر جاتی ہیں۔" ساجدہ نے بتایا۔

"اچھا تم ایسا کرو مجھے دو بلب منگوا دو میں ان کمروں کی صفائی کر لیتی ہوں۔" انہوں نے کہا۔

ساجدہ نے کچھ دیر بعد دو بلب منگوا دیے تھے، جھاڑ پونچھ کا سامان لیے وہ اوپر آگئی تھی۔ حویلی میں رہتے ہوئے انہوں نے بہت سے کام اپنے ذمہ لے رکھے تھے مگر ایسے تمام کام ملازمین کے سپرد تھے۔

اوپر والے حصے میں دو کمروں کے علاوہ ایک طرف برآمدے میں کچن سیٹ کیا ہوا تھا اور بائیں طرف واش روم تھا۔
انہوں نے کھڑکیاں کھول دی تھیں کچھ دیر بعد ساجدہ بھی اوپر آ گئی تھی دونوں نے مل کر پورشن صاف کیا تھا۔ الماریاں، کھڑکیاں دروازے، چھتیں سبھی کچھ روشن روشن سا ہو گیا تھا۔ کم از کم ان کو دو تین گھنٹے لگ گئے تھے ہر چیز کی صفائی میں۔ پرانا سامان نکال کر اس نے باہر رکھا تھا کچھ کو دھوپ لگوائی تھی بہت سارا سامان خالہ بی ان گزرے ماہ سال میں نکال نکال کر استعمال کر چکی تھیں بس چیدہ چیدہ چیزیں موجود تھیں۔
ساجدہ نے دوپہر کا کھانا تیار کرنا تھا اس کے دونوں بیٹوں نے دو بجے اسکول سے آ جانا تھا جبکہ تابندہ خود چیزوں کو دھوپ میں پھیلا کر کمروں سے نکلنے والا ساز و سامان ردی، کاغذات اور چند اور چیزیں چیک کرنے لگی تھیں۔
گھر کی تعمیر کے سلسلے میں خریدے جانے والے سامان کی کئی رسیدیں تھیں مختلف مختلف اوقات میں مختلف جگہوں سے خریدا جانے والا ساز و سامان، حساب کتاب کی ڈائری، پاسپورٹ کالج کی ڈائری، نوٹس، کتابیں ادب اور لٹریچر کی کتابیں ڈائریاں اور تعلیمی اسناد انہوں نے بہت احتیاط سے تمام چیزوں کو صاف کرتے ایک شاپنگ بیگ میں ڈالا تھا۔
''یہاں سے صرف کپڑے ہی لے کر جاؤ گے نا، باقی ساز و سامان کا کیا کرو گے؟'' ماضی کے جھروکوں سے پھر کوئی آواز گونجی تھی۔
''سکندر کہتے ہیں سب کچھ بنالیں گے، کپڑے وغیرہ روز مرہ کی ضرورت ہیں باقی سب کچھ تو ارینج ہو سکتا ہے۔''
''اور کچن کے لیے برتن بھی درکار ہوں گے تب تک باقی سیٹنگ نہیں ہو جاتی ان کی تو ضرورت ہے۔''
''بالکل ابھی تو میری اپنی طبیعت ایسی ہے کہ میں شاپنگ نہیں کر سکتی ذرا جو سنبھلتی ہے تو پھر کریں گے مل کر، سکندر نے گھر کی سجاوٹ کا سارا کام مجھ پر چھوڑ رکھا ہے۔'' تابندہ نے نم آنکھوں سے برآمدے میں بنے اوپن کچن کی طرف دیکھا۔ ان کے دل میں عجیب سی کیفیت پیدا ہونے لگی تو وہ اٹھ گئی تھیں۔
سامان وغیرہ کو اسی طرح دھوپ میں چھوڑ کر وہ نیچے آ گئی تھیں نماز پڑھ کر کھانا کھا کر وہ پھر سے اوپر آ ئی تھیں ساجدہ کے دونوں بیٹے آ چکے تھے وہ بھی اوپر آ گئے تھے۔ ان کے ساتھ مل کر انہوں نے پھر سے کمرے کی سیٹنگ کی تھی۔ بچے بہت خوش تھے جن کمروں کو تالا لگا دیکھتے تھے اب ان کمروں میں چل پھر رہے تھے۔
ساجدہ ایک خاموش طبع خاتون تھیں۔ وہ سوال جواب نہیں کرتی تھی جبکہ اس کے بچے بہت متجسس تھے وہ مختلف سوال و جواب کر رہے تھے۔
''اگر یہ آپ کا گھر تھا تو پھر ہم ادھر کیوں رہ رہے ہیں۔'' چھوٹے بچے نے ایک سوال کا جواب ملنے پر پھر پوچھا تھا۔
''اس لیے کہ میں نے یہ گھر تمہاری دادی کو دے دیا تھا۔''
''اور آپ اتنا عرصہ کہاں تھیں، امی کہتی ہیں کہ آپ کہیں نوکری کر رہی تھیں اب واپس آ گئی ہیں۔'' سوال کا جواب ملنے پر اس نے جھٹ اگلا سوال کیا تھا انہوں نے مسکرا کر دیکھا۔
''ہاں میں واقعی کہیں نوکری کر رہی تھی۔''
''آپ کے بچے کدھر ہیں؟'' اس نے پھر پوچھا۔
''چپ، امی نے منع کیا تھا نا کہ آنٹی سے زیادہ سوال کر کے تنگ نہیں کرنا۔'' بڑے بھائی نے چھوٹے کو ڈانٹا۔
''ہاں میں بھول گیا تھا۔'' چھوٹا ایک دم مودب ہو گیا تھا۔
تابندہ خاموش رہی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد دونوں کمرے سیٹ ہو گئے تھے۔
''یہ ایک کمرہ تمہارا ہے اور ایک چھوٹے کا، جب تم دونوں کچھ اور بڑے ہو جاؤ گے تو ادھر رہنا۔'' تابندہ نے بچوں سے

کہا تو دونوں حیران ہو گئے۔

"واقعی؟" چھوٹے کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔

"ہم اب ان کمروں میں آیا جایا کریں گے نا کوئی منع تو نہیں کرے گا نا؟" وہ پوچھ رہے تھے تابندہ نے سرہلادیا تھا۔

"بالکل بیاب تم دونوں کے کمرے ہیں۔"

"میں امی کو بتا کر آتا ہوں۔" چھوٹا ایک دم خوش ہو کر نیچے کی طرف بھاگا تھا بڑا بھی پیچھے لپکا تھا۔

تابندہ بی نے ایک گہرا طمانیت بھرا سانس لیا اور پھر کمرے کی طرف دیکھا تھا۔

○......❖❖......○

وہ گھر لوٹی تو سیدھا اپنے کمرے میں آئی تھی، کتابیں اور بیگ رکھ کر لباس بدل کر وہ باہر آ گئی تھی اسے سخت بھوک لگ رہی تھی۔ آج کا سارا دن کالج میں بہت بزی رہا تھا۔ وہ ابھی فریج کھول کر دیکھ ہی رہی تھی جب لائبہ بھابی اندر داخل ہوئی تھیں۔

"شادی کے بعد آج کالج میں پہلا دن کیسا گزرا؟" انہوں نے مسکرا کر پوچھا۔

"بہت بزی۔" اس نے کہا تو وہ آگے بڑھی تھیں۔

"ہٹو تم میں کھانا نکال دیتی ہوں۔" انہوں نے کہا تو وہ چیئر پر ہی بیٹھ گئی۔

"بڑی خاموشی ہے گھر میں باقی لوگ کدھر ہیں۔" اس نے پوچھا۔

"صبا اور عائشہ دونوں چلی گئی ہیں دونوں پھوپھی ساتھ گئی ہیں دریہ اور اماں اپنے اپنے کمرے میں جب کہ مصطفیٰ اور ماموں جان کے ساتھ چیک اپ کرا کر ابھی اپنے کمرے میں گیا ہے۔"

"اوہ......" مصطفیٰ کے ذکر پر وہ ایک دم چونک کر سیدھی ہوئی تھی۔

لائبہ نے اوون میں سالن گرم کر دیا تھا۔ وہ خاموشی سے کھانا کھانے لگی تھی۔ کھانا کھا کر وہ لائبہ کے پاس کچھ دیر رکی اور پھر اپنے کمرے میں آ گئی تھی بیگ سے موبائل نکال کر اس نے حویلی کے نمبرز ملائے تھے۔

بابا صاحب سے بات ہوئی تھی۔ اس نے تابندہ سے بات کروانے کا کہا تو پتا چلا کہ وہ گاؤں میں کسی کے گھر گئی ہوئی ہیں۔ اس کا دل ایک دم سکڑا۔ جب سے وہ رخصت ہو کر آئی تھی ایک بار بھی تابندہ سے بات نہیں ہوئی تھی نجانے وہ کیوں اسے نظر انداز کر رہی تھیں۔ اسے لگ رہا تھا کہ جیسے وہ جان بوجھ کر اس سے بات نہیں کر رہی ہیں۔ اس کے اندر ایک دم حساسیت کے طوفان اٹھنے لگے تو خود کو سمجھاتے وہ کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔ مصطفیٰ والے کمرے کی طرف نگاہ اٹھی تو قدم من من بھر کے ہو گئے۔

وہ ادھر جانے کے بجائے ماں جی کے کمرے کی طرف چلی آئی ابھی اس نے دستک دینے کو ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ ایک ادھ کھلے دروازے سے آتی آواز سن کر ساکت ہو گئی۔

"تابندہ حویلی چھوڑ کر چلی گئی ہے اور آپ یہ بات مجھے اب بتا رہے ہیں۔" شہوار کو لگا جیسے اس نے سننے میں غلطی کی ہے۔

"اتنے دن ہو گئے اور آپ نے کچھ خبر بھی نہ لی، کوئی پتا نہ کرایا؟" مہرالنساء فکر مندی سے کہہ رہی تھیں۔

"پتا تو تب کراتا جب وہ انجانے میں گم ہوتیں وہ خود سے حویلی چھوڑ کر گئی ہیں۔ باقاعدہ بابا صاحب کے نام خط لکھ کر۔"

"میرے اللہ۔" شہوار کو لگا کہ جیسے اس پر گھر کی چھت آ گری ہے۔ اس نے ساکت نظروں سے ادھ کھلے

دروازے کو دیکھا۔

"پتا نہیں وہ کہاں گئی ہوں گی ان کا تو اس دنیا میں کوئی بھی نہ تھا۔" مہر النساء ازحد پریشان ہو چکی تھیں۔

"نہیں، مجھے لگتا ہے تصویر کے دو رخ ہیں ایک وہ رخ جو تابندہ نے ہمیں دکھایا ہے اور دوسرا کوئی اور رخ ہے، جس سے صرف وہی واقف ہے آپ کو یاد ہوگا ماضی میں جب بھی تابندہ سے اس کے رشتہ داروں کے بارے میں سوال کیا وہ گھبرا جایا کرتی تھی میں نے ہمیشہ یہ سمجھا کہ وہ اپنے دشمنوں سے خوف زدہ ہے مگر اب مجھ لگ رہا ہے کہ ہم بے وقوف بنائے گئے ہیں۔ تابندہ بی کے ماضی میں بہت کچھ چھپا ہوا ہے۔" شاہزیب صاحب کہہ رہے تھے۔

اور دروازے کے پاس کھڑی شہوار کو لگا کہ جیسے لحہ لحہ اس کے جسم سے جان نکلتی جا رہی ہے۔

"یہ کیسے ہوسکتا ہے، تابندہ کا ہمارے ساتھ کوئی ایک دن کا ساتھ نہ تھا، برسوں ہم نے ساتھ گزارے تھے کسی کے کردار کی پہچان ایک لمحہ میں ہو جاتی ہے وہ کوئی ایسی ویسی خاتون نہ تھیں۔" مہر النساء کے لہجے میں ایک دم خوف سمٹ آیا تھا۔

"میں بھی کرداری لحاظ سے انہیں غلط نہیں کہہ رہا۔ مگر مجھے لگتا ہے انہوں نے ہم سے بہت کچھ چھپا رکھا تھا۔"

شہوار کو لگا وہ ابھی ندامت و شرمندگی سے پورے قد سمیت گرنے والی ہے اس نے ایک دم دیوار کو تھاما۔

وہ نجانے کیوں اپنی پہچان کے حوالے سے ہمیشہ خوف زدہ رہی تھی تو کیا اس کے وہ سارے خوف، سارے واہمے اور سارے خدشات اب درست ثابت ہونے والے تھے۔

شہوار کو لگا کہ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا ہے۔

"میں تو اب شہوار کے حوالے سے بھی شک کا شکار ہو رہا ہوں۔" شاہزیب صاحب کی آواز اسے لگا آخری کیل تھی جو اسے تابوت میں بند کرنے کو کافی تھی۔

"کیا مطلب، کیسا شک؟" مہر النساء نے بے تابی سے پوچھا تھا۔ جواب میں نجانے شاہزیب صاحب نے کیا کہا تھا۔ شہوار نے ایک دم اپنا چکراتا سر تھاما تھا مگر سب بے سود تھا آج وہ بھری دنیا میں بالکل تنہا رہ گئی تھی۔

اس کی ذات کا سارا مان،

ساری اکڑ

سارا غرور

آج خاک میں مل گیا تھا۔

اس کی ذات کا نشان آج پھر شک کی لپیٹ میں تھا اس کے سر پر ہمیشہ چادر ڈالنے والے بھی آج مشکوک تھے۔ اسے لگا اس کو سانس بہت گھٹ گھٹ کر آ رہا ہے۔ وہ بس مرنے والی ہے۔ وہ بس ابھی ٹوٹی ہوئی عمارت کی طرح زمین بوس ہو جائے گی۔ اس نے خود کو سنبھالنا چاہا تھا۔

بمشکل واپسی کے لیے قدم بڑھائے تھے مگر اب کی بار ذہن پر چھانے والا اندھیرا ایسا تھا کہ وہ پورے قد سے زمین پر گر گئی تھی۔

بند ہوتی آنکھوں سے اس نے بس یہ دیکھا تھا کہ اس کی چیخ اور بند ہوتی آواز سن کر مہر النساء اور شاہزیب صاحب فوراً کمرے سے باہر آئے تھے اور تیزی سے اس کی طرف لپکے تھے۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

